اہلِ قبور کے سننے اولیاء اللہ سے استمداد، ایصالِ ثواب
اور دیگر ضروری مسائل کی تحقیق

علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ تعالیٰ
(مصنف سیرت رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور

جناب محترم سید اعجاز احمد علیہ الرحمہ

متوفی ۱۳ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ / ۵ ستمبر ۱۹۹۸ء

❋

نام کتاب : کتاب البرزخ

تصنیف : علامہ نور بخش توکلی رحمتہ اللہ علیہ

تحریک : محمد عبدالحکیم شرف قادری

ناشر : فرید بک سٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور

کمپوزنگ : المدد کمپوزنگ سینٹر، لاہور

تصحیح : مولانا محمد ابراہیم فیضی

مولانا اکرام اللہ زاہد

تعداد : گیارہ سو

مطبع : رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز، لاہور

طبع بار اول : اگست ۲۰۰۰ء

ہدیہ : =/۸۷ روپے

ملنے کا پتہ

فرید بک سٹال

38۔ اردو بازار، لاہور، پاکستان

فون نمبر 042-7312173

فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔ میل نمبر faridbooks@hotmail.com

آئینہ مضامین

کتاب البرزخ

اعتذار

کتاب البرزخ کو اس حالت میں پیش کرتے ہوئے فقیر چند کلمے بطور معذرت لکھنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس کتاب کی کاپیاں جو کاتب نے لکھیں بوجہ قلت سرمایہ انجمن قریباً ایک سال مطبع میں نہ جا سکیں۔ اور کچھ تصحیح کے لیے بسبیل ڈاک میرے پاس بھیجی گئیں۔ اس طرح عرصہ دراز گزرنے اور ریل میں دستمال ہونے کے سبب ان کی حالت خراب تو تھی ہی، مگر چھپنے میں اور خراب کر دی گئیں۔ بعض جگہ حروف ٹوٹ گئے یا بالکل اڑ گئے۔ بعض نادان سنگ ساز نے بنانے میں خلاف تصحیح کچھ کا کچھ بنا دیا۔ غرض وجوہات بالا سے اس کتاب کی چھپائی اور صحت چنداں قابل اطمینان نہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوسری بار طبع ہونے میں یہ نقائص رفع کر دیئے جائیں گے۔ ارباب تصنیف و تالیف جنہیں اکثر ایسی باتوں سے پالا پڑتا ہے وہ ضرور مجھے معذور سمجھیں گے۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

نوری توکلی

لاہور ۶۔ جمادی الاخر ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين - والصلوه والسلام على حبيبه سيدنا ومولانا ووسيلتنا فى الدارين محمد وعلى آله واصحابه واتباعه اجمعين-

امابعد فقیر توکلی برادران اسلام کی خدمت میں گزارش پرداز ہے کہ سماع موتے کے ثبوت میں علمائے کرام نے کئی رسالے تصنیف فرمائے ہیں۔ جزاهم الله خير الجزاء- مگر ان دنوں میں انجمن نعمانیہ ہند' لاہور کے دفتر میں بعض بیرونی تحریریں اس قسم کی موصول ہوئی ہیں کہ جن پر مکرمنا مولوی مفتی حکیم سلیم اللہ خاں صاحب صدر انجمن نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالی جائے۔

مخدومنا مولوی حاجی خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کے علاوہ دبیر انجمن نے بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ اس مسئلے کو بغور دیکھا جائے۔ لہٰذا یہ چند اوراق باوجود تفرقہ اوقات لکھے جاتے ہیں جن میں مسئلہ مذکور کے علاوہ دیگر مسائل ضروریہ بھی درج کیے گئے ہیں اور طرز تحریر ایسا آسان رکھا گیا ہے کہ معمولی لیاقت کے اردو خواں اصحاب

بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

اور اسے مقبول عام بنانے کے لیے ایک اور طریق بھی اختیار کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ قرآن و حدیث کے علاوہ علامہ ابن قیم جوزی کی تصنیف "الکتاب الروح" سے بہت کچھ اخذ کیا گیا ہے۔ اس کی تائید میں علامہ سیوطی وغیرہ علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں تاکہ یہ کتاب ہر فریق کے نزدیک مستند ہو' مگر بایں ہمہ کسی صورت میں طریق اہلسنت وجماعت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا گیا۔ آخر میں ناظرین سے استدعا ہے کہ کتاب ہذا کے مطالعہ کے بعد جناب صدر و دبیر صاحبان کے حق میں جو "الدال على الخير كفاعله" کے مصداق ہیں' نیز اس فقیر سراپا تقصیر کے حق میں دعائے حسن خاتمہ فرمائیں۔ اب یہاں سے آغاز کتاب ہے۔ والله هو المستعان وعليه التكلان-

۱- روح کی حقیقت

حقیقت روح کے بارے میں بعض علماء نے توقف کیا ہے اور جنہوں نے اس میں کلام کیا ہے' ان کے مختلف قول ہیں۔ مگر جمہور اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ روح ایک لطیف جسم ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام تقی الدین سبکی (متوفی ۷۶۵ھ) لکھتے ہیں:

من الناس من توقف فيه وهو اسلم وحمل على ذلك قوله تعالى قل الروح من امرربی وانه لم يامره ان يبينه لهم ومنهم من قال انها جسم وهئولاء تنوعوا انواعا امثلها قول من قال انها اجسام لطيفه مشتبكه بالاجسام الكثيفه اجرى الله العاده بالحياه مع مقامها وهومذهب جمهوراهل السنه والى ذلك يشير قول الاشعری والباقلانی وامام الحرمين وغيرهم ويوافقهم قول كثير من قدماء الفلاسفه۔

بعض لوگوں نے اس میں توقف کیا ہے اور وہ اسلم طریق ہے اور

انہوں نے اللہ تعالیٰ کے قول(۱) (قل الروح من امرربی) کو اس پر محمول کیا ہے اور اس پر کہ اللہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو حقیقت روح بیان فرمانے کا امر نہیں کیا۔ اور بعض لوگ قائل ہیں کہ روح ایک جسم ہے۔ پھر ان کے کئی قول ہیں سب سے اچھا قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ روحیں لطیف جسم ہیں جو کثیف جسموں سے ملی ہوئی ہیں۔ قانون الٰہی یوں جاری ہے کہ جب تک روح' جسم میں رہتی ہے انسان زندہ رہتا ہے۔ اور یہی جمہور اہلسنت کا مذہب ہے۔ اور اسی کی طرف اشعری' باقلانی اور امام الحرمین وغیرہ کا قول اشارہ کرتا ہے اور بہت سے فلاسفہ متقدمین کا قول انہی کے موافق ہے۔

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام' باب تاسع۔ فصل خامس)

اور علامہ ابن قیم (متوفی ۷۵۱ھ) نے روح کی جسمانیت کے بارے میں چھٹا قول یوں لکھا ہے:

انه جسم مخالف بالماهيه لهذا الجسم المحسوس وهو جسم نورانی علوی خفيف حی متحرك ينفذ فی جوهر الاعضاء و يسری فيها سريان الماء فی الورد و سريان الدهن فی الزيتون و النار فی الفحم فما دامت هذه الاعضاء صالحه لقبول الاثار الفائضه عليها من هذا الجسم

(۱) اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حقیقت روح میں کلام کرنے سے منع فرمایا ہے مگر اس سے تو منع نہیں کیا کہ بطریق اجمال جنس روح میں کلام کیا جائے۔ کیونکہ یہ تو اس علم قلیل سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو دیا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے وما اوتيتم من العلم الا قليلا (اور تم نہیں دیئے گئے علم روح سے مگر تھوڑا) لہٰذا جب ہم کہتے ہیں کہ روح ایک جسم ہے تو ہم اس کو امراللہ سے خارج نہیں کرتے۔ (حاشیہ شیخ زین الدین قاسم حنفی بر مسائرہ علامہ ابن الہمام)

اللطیف بقی ذلک الجسم اللطیف مشابکا لہذہ الاعضاء و افادھا ہذہ الاثار من الحس و الحرکہ الارادیہ و اذا فسدت ہذہ الاعضاء بسبب استیلاء الاخلاط الغلیظہ علیھا و خرجت عن قبول تلک الاثار فارق الروح البدن و انفصل الی عالم الارواح و ھذا القول ھوالصواب فی المسئلہ وھوالذی لا یصح غیرہ و کل الاقوال سواہ باطلہ و علیہ دل الکتاب والسنہ واجماع الصحابہ وادلہ العقل والفطرہ۔

روح ایک جسم ہے جو ماہیت میں اس جسم محسوس کے مخالف ہے۔ اور وہ ایک جسم ہے نورانی، علوی، ہلکا، زندہ، متحرک جو جوہر اعضاء میں نفوذ کرتا ہے۔ اور ان میں سرایت کرتا ہے۔ جیسے پانی گلاب(۱) کے پھول

(۱) حدیث براء بن عازب میں ہے جسے امام احمد نے روایت کیا ہے یعنی فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

قال فتخرج تسیل کما تسیل القطرہ من السقاء۔

پس نکلتی ہے روح مومن کی اس حال میں کہ رواں ہوتی ہے جیسے پانی کا قطرہ مشک سے رواں ہوتا ہے۔

(مشکوۃ کتاب الجنائز، باب مایقال عند من حضرہ الموت، فصل ثالث)

ملا علی قاری مرقات میں اس کے تحت لکھتے ہیں

و ھذا یوید ما علیہ اکثر اھل السنہ ممن تکلم علی الروح انھا جسم لطیف سارفی البدن کسریان ماء الورد فی الورد۔

یعنی یہ قول تائید کرتا ہے اس قول کی جس پر اکثر اہلسنت ہیں، جنہوں نے روح پر کلام کیا ہے کہ روح ایک لطیف جسم ہے جو بدن میں یوں سرایت کرنے والا ہے، جیسے آب گل، گل گلاب میں۔

میں اور تیل زیتون میں اور آگ کوئلے میں۔ پس جب تک یہ اعضاء ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو ان کو اس لطیف جسم سے پہنچتے ہیں وہ لطیف جسم ان اعضاء سے باہم ملا ہوا رہتا ہے اور ان کو یہ آثار یعنی حس و حرکت ارادیہ دیتا ہے، اور جب یہ اعضاء اخلاط غلیظہ کے غلبہ کے سبب بگڑ جاتے ہیں اور ان آثار کے قبول کرنے کی صلاحیت سے خارج ہو جاتے ہیں تو روح بدن سے الگ ہو جاتی ہے اور عالم ارواح میں پہنچ جاتی ہے۔ اور اس مسئلے میں یہی قول درست ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا قول صحیح نہیں، اور اس کے سوا سب اقوال باطل ہیں اور اسی پر قرآن و حدیث اور اجماع صحابہ اور عقل و فطرت کی دلیلیں دلالت کرتی ہیں۔ (کتاب الروح، مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدر آباد دکن، ص ۲۸۵)

اکثر متکلمین بھی روح کی جسمانیت کے قائل ہیں۔ مگر اہل سنت کی ایک جماعت مثلاً امام غزالی اور امام ابو منصور ماتریدی وغیرہ روح کو جوہر مجرد کہتے ہیں۔ (کتاب مسایرہ مع مسامرہ، ص ۲۲۴، ۲۲۶) چونکہ اہل سنت و جماعت اور متکلمین کی اکثریت روح کی جسمانیت کی قائل ہے، اس لیے اب اس کے جسم ہونے پر چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

آیات قرآنیہ

۱۔ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْھِمْ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَکُمْ۔ (الانعام: ۹۳)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان۔

اس آیت میں روح کے جسم ہونے پر دو دلیلیں ہیں۔ ایک ارواح کو لینے کے

لیے فرشتوں کا ہاتھ پھیلانا۔ دوسرے ارواح کا نکالنے سے متصف ہونا اور یہ دونوں اجسام کے اوصاف ہیں۔ جیساکہ تفسیر مدارک میں ہے:

باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم ای یبسطون الیھم ایدیھم یقولون ھاتوا ارواحکم اخرجوھا الینا من اجسادکم وھذہ عبارہ عن التشدید فی الازھاق من غیر تنفیس وامھال۔

یعنی فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنی روحوں کو لاؤ اور ان کو اپنے جسم سے ہماری طرف نکال دو اور اس سے مراد مبالغہ ہے نکالنے میں بغیر آسائش و مہلت کے۔

۲ - وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (الانعام:۶۰)

اور وہی ہے کہ تم کو پھیر لیتا ہے رات کو اور جانتا ہے جو کما چکے دن کو پھر تم کو اٹھاتا ہے اس میں کہ پورا ہو وعدہ جو تھا ٹھہرا دیا۔ پھر اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے پھر جتائے گا تم کو جو کرتے تھے۔

۳- وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ○ (الانعام:۶۱)

اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب پہنچے تم سے کسی کو موت، اس کو بھر لیں ہمارے بھیجے لوگ اور وہ قصور نہیں کرتے۔

ان دو آیتوں میں تین دلیلیں ہیں: (۱) رات کے وقت روح کا قبض کیا جانا۔ (۲) پھر دن کے وقت بدن میں آجانا (۳) اور موت کے وقت فرشتوں کا روح کو قبض

کرنا۔

۴- اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ○ (الزمر:۴۲)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا۔ اور جو نہ مریں اپنی نیند میں، پس رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا، اور بھیجتا ہے دوسروں کو مقررہ وعدے تک۔ البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں۔

اس آیت میں قبض کیے جانے کے علاوہ دو اور دلیلیں ہیں: (۱) روح کا رکھ چھوڑنا (۲) روح کا چھوڑ دینا۔

۵-۶- وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ○ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا۔ (سورہ الشمس: ۷-۸)

اور (قسم) جی کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا پھر سمجھ دی اس کو فجور و تقویٰ کی۔

یہاں دو دلیلیں ہیں: ایک تو روح کو فجور و تقویٰ کی سمجھ دینا اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے روح کو ٹھیک بنایا ہے جیساکہ اس نے بدن کو ٹھیک بنایا ہے۔ چنانچہ بدن کی نسبت فرمایا:

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ۔ جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا۔

دلائل مذکورہ بالا کے علاوہ اور بہت سی دلیلیں آئندہ سطور میں مذکور ہوتی ہیں جن سے موت کے بعد روح کا بقاء بھی ثابت ہوگا۔

۲- موت کے بعد روح کاباقی رہنا

جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی روح نیست و نابود نہیں ہوتی بلکہ باقی رہتی ہے۔ ذیل میں چند دلیلیں پیش کی جاتی ہیں:

آیات قرآنیہ

۱-۲- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (آل عمران:۱۶۹-۱۷۰)

اور تو مردے نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس، روزی پاتے، خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش وقت ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی نہیں پہنچے ان میں پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم ہے۔

ان آیتوں میں خبر دی گئی ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے، ان کی روحیں زندہ اور مقرب الٰہی ہیں اور ان کی روحوں کو دوسروں کی روحوں کی طرح

صرف بقاء ہی نہیں بلکہ ان کو زندوں کی طرح(۱) رزق بھی ملتا ہے اور وہ خوش ہوتی ہیں کہ ہمارے بھائی جو دنیا میں ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں، اور ابھی شہید نہیں ہوئے ہیں انہیں بھی وہی اجر ملے گا، جو ہم کو ملا ہے۔ یہ حال ان بزرگوں کی روحوں کا ہے جنہوں نے جہاد اصغر کیا ہے۔ پس اولیاء اللہ جنہوں نے جہاد اکبر کیا ہے ان کا حال انہی پر قیاس کر لیجئے کہ کیا ہوگا۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

وقال ابوحيان في تفسيره عند هذه الايه اختلف الناس في هذه الحياه فقال قوم معناها بقاء ارواحهم دون اجسادهم لانا نشاهد فسادها و فناءها وذهب آخرون الي ان الشهيد حي الجسد و الروح و لا يقدح في ذلك عدم شعورنا به فنحن نراهم علي صفه الاموات وهم احياء كما قال الله تعالي وترى الجبال تحسبها جامده وهي تمر مر السحاب و كما يرى النائم علي هيئته وهو يرى في منامه ما يتنعم به او يتالم قلت ولذلك قال الله تعالي احياء و لكن لا تشعرون فنبه بقوله ذلك

(۱) حدیث مسلم میں ہے ولا تحسبن الذین قتلوا (الایہ) کی تفسیر صحابہ کرام نے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

ارواحهم في اجواف طير خضر لها قناديل معلقه بالعرش تسرح من الجنه حيث شاءت ثم تاوي الي تلك القناديل۔

شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کے اندر ہیں۔ ان پرندوں کے لیے عرش سے لٹکی ہوئی قندیلیں ہیں۔ وہ بہشت کی جس جگہ چاہیں چرتے ہیں۔ پھر ان قندیلوں میں آ رہتے ہیں۔

(مشکوۃ کتاب الجہاد فصل اول)

خطا باللمومنین علی انھم لایدرکون ھذہ الحیاہ بالمشاھدہ و الحس و بھذا یتمیز الشھید عن غیرہ ولوکان المراد حیاہ الروح فقط لم یحصل لہ تمیزعن غیرہ لمشارکہ سائرالاموات لہ فی ذلک و لعلم المومنین باسرھم حیاہ کل الارواح فلم یکن لقولہ ولکن لا تشعرون معنی و قد یکشف اللہ لبعض اولیائہ فیشاھد ذلک۔

علامہ ابوحیان (متوفی ۷۴۵ھ) نے اپنی تفسیر (البحرالمحیط) میں اس آیت پر لکھا ہے کہ لوگوں نے اس حیات میں اختلاف کیا ہے۔ ایک جماعت نے کہا کہ اس کے معنے ان کی روحوں کا باقی رہنا ہے نہ کہ ان کے جسموں کا کیونکہ جسموں کا بگڑنا اور فنا ہو جانا ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور دوسرے لوگ اس امر کی طرف گئے ہیں کہ شہید کا جسم و روح دونوں زندہ ہوتے ہیں اور ہمارا اس کو محسوس نہ کرنا اس میں قادح نہیں۔ پس ہم ان کو مردوں کے حال میں دیکھتے ہیں حالانکہ وہ زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور تو دیکھتا ہے پہاڑ' جانتا ہے وہ جم رہے ہیں اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل" اور جیسا کہ سونے والا اپنی حالت میں نظر آتا ہے حالانکہ وہ خواب میں کوئی شے دیکھ رہا ہے جس سے وہ آسائش پاتا ہے یا دکھ پاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "وہ(۱) زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔ (البقرہ: ۱۵۴)" پس اس قول سے مومنوں کو خطاب کر کے اس بات پر آگاہ کیا کہ اس حیات کو تم مشاہدے اور حس سے نہیں پاتے اور اس سے شہید و غیر شہید میں امتیاز ہو جاتا ہے۔ اگر

(۱) بل احیاء ولکن لاتشعرون۔ (سورہ بقرہ: ۱۵۴)

اس سے مراد فقط روح کی حیات ہو تو شہید اور غیر شہید میں کوئی تمیز نہیں رہتی کیونکہ باقی مردے اس بات میں شہید کے مشارک ہیں اور سب مومن جانتے ہیں کہ تمام روحیں زندہ ہیں۔ پس اس قول (لیکن تم کو خبر نہیں) کے کچھ معنے نہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کبھی اپنے بعض اولیاء پر کشف کر دیتا ہے۔ پس وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

(شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور' باب زیارۃ القبور' وعلم الموتی بزوارھم)

شہداء کے جسموں کی حیات کے آثار کئی دفعہ مشاہدے میں آ چکے ہیں۔ چنانچہ امام ابن قتیبہ (متوفی ۲۷۶ھ) شہدائے احد کی نسبت لکھتے ہیں:

وحدثنی محمد بن عبید عن ابی عیینہ عن ابی الزبیر عن جابر قال لما اراد معاویہ ان یجری العین التی حفرھا (قال سفیان تسمی عین ابی زیاد بالمدینہ) نادوا بالمدینہ من کان لہ قتیل فلیات قتیلہ قال جابر فاتیناھم فاخرجنا ھم رطابا یتثنون و اصابت المسحاہ رجل رجل منھم فانقطرت دما فقال ابو سعید الخدری لا ینکر بعدھا منکرا ابدا۔

اور بیان کیا مجھ کو محمد بن عبید نے ابن عیینہ سے' ابن عیینہ نے ابوالزبیر سے' ابوالزبیر نے جابر سے۔ کہا جابر نے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارادہ کیا کہ جاری کرے اس چشمہ کو جو اس نے کھودا تھا (کہا سفیان نے کہ مدینہ میں اس چشمہ کو عین ابی زیاد کہتے ہیں) تو مدینہ منورہ میں منادی کر دی کہ جس کا کوئی شہید ہو' وہ اپنے شہید کے پاس آئے۔ کہا

جابر(۱) نے کہ ہم شہیدوں کے پاس آئے پس ہم نے ان کو (قبروں سے) نکالا اس حال میں کہ وہ تر و تازہ تھے اور ان کے اعضاء مڑ سکتے تھے۔ ان میں سے ایک شخص کے پاؤں پر جو بیلچہ لگا تو اس سے خون ٹپکا پس حضرت ابو سعید(۲) خدری ؓ نے فرمایا کہ اس کے بعد کبھی کوئی منکر انکار نہ کرے گا۔ (کتاب تاویل مختلف الحدیث، مطبوعہ مصر، ص ۱۸۸)

یہ واقعہ جو امام ابن قتیبہ نے ذکر کیا ہے' غزوہ احد کے چالیس سال بعد وقوع میں آیا۔ اگر اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل مقصود ہو تو "تذکرۂ قرطبیہ" اور "وفاء الوفا للسمہودی" وغیرہ کتب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی حیات

(۱) حضرت جابر ؓ کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام احد کے دن شہید ہو گئے تھے اور حضرت عمرو بن الجموح بن زید بن حرام کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے تھے۔ پھر حضرت جابر نے ان کو نکال کر پاس ہی علیحدہ قبر میں دفن کیا۔ چنانچہ بخاری شریف (کتاب الجنائز' باب ھل یخرج المیت من القبر واللحد لعلہ) میں حضرت جابر کے الفاظ یہ ہیں:

ثم لم تطب نفسی ان اترک مع الاخر فاستخرجته بعد ستة اشهر فاذا هو کیوم وضعته هنیه غیر اذنه۔

پھر میرا جی خوش نہ ہوا کہ میں اپنے والد کو دوسرے کی ساتھ رہنے دوں۔ اس لیے میں نے ان کو چھ مہینے بعد نکالا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ قریباً ایسے ہی ہیں جیسا کہ دفن کرنے کے وقت تھے سوائے کان کے۔

پھر جنگ احد سے چالیس سال کے بعد جب حضرت معاویہ ؓ نے چشمہ جاری کیا تو ہر دو ایسے نکلے کہ گویا کل دفن ہوئے تھے۔ پھر جنگ احد سے چھیالیس برس کے بعد جیسا کہ موطا امام مالک میں ہے' ایک رو کی وجہ سے ہر دو کو نکال کر دوسری جگہ دفن کیا گیا۔ مگر اس دفعہ بھی ان میں کوئی تغیر نہ آیا تھا گویا کہ کل شہید ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک زخمی تھا اور اس نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا۔ پس اس کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑ دیا گیا۔ مگر وہ پھر اپنی جگہ پر آ گیا۔

(وفاء الوفاء' جز ثانی' ص ۱۱۵-۱۱۶' نیز طبقات ابن سعد' جز ثالث' قسم ثانی فی البدریین من الانصار' ص ۵)

(۲) حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی جنگ احد میں شہید ہوئے۔

میں جو حیات شہداء سے اکمل و اتم ہے کسی اہل ایمان کو کلام نہیں ہو سکتا۔

سنن ابی داؤد' کتاب الصلوۃ باب تفریع ابواب الجمعہ بروایت اوس بن اوس' یہ حدیث موجود ہے:

قال رسول الله ﷺ ان من افضل ایامکم یوم الجمعه فیه خلق آدم وفیه قبض وفیه النفخه وفیه الصعقه فاکثروا علی من الصلوه فیه فان صلاتکم معروضه علی فقالوا یا رسول الله کیف تعرض صلاتنا علیك وقد ارمت فقال ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے افضل دنوں میں سے جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے اور اسی دن انہوں نے وفات پائی۔ اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن صعقہ (بیہوشی) ہو گا۔ پس اس دن تم مجھ پر درود زیادہ بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارا درود آپ پر کس طرح پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو بوسیدہ ہو گئے ہوں گے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی پر نبیوں کے جسم حرام کر دیے ہیں۔

غرض موت کے بعد روح تو ہر انسان کی باقی رہتی ہے۔ مگر انبیاء کرام اور شہیدوں کے جسم بھی باقی رہتے ہیں۔ اور دوسرے انسانوں کے جسم عموماً تمام بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ صرف ایک ہڈی باقی رہ جاتی ہے' جسے عجب الذنب کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث صحیحین سے ثابت ہے اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

کل ابن ادم یا کله التراب الا عجب الذنب منه خلق

آدمی کے تمام جسم کو مٹی کھا جاتی ہے سوائے عجب الذنب کے کہ جس سے

وفیہ یرکب۔ — آدمی پیدا کیا گیا ہے اور جس سے ترکیب دے پیوند دے کر قیامت کو اٹھایا جائے گا۔

(مشکوٰۃ شریف، باب النفخ فی الصور، فصل اول)

۳-۴- قِيۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ يٰلَيۡتَ قَوۡمِيۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيۡ رَبِّيۡ وَ جَعَلَنِيۡ مِنَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ۝ (یٰس:۲۶-۲۷)

حکم ہوا کہ چلا جا بہشت میں۔ بولا کسی طرح میری قوم معلوم کرے کہ بخشا مجھ کو میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں۔

ان آیتوں میں حضرت حبیب نجار کے قصے کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بزرگ شہر انطاکیہ میں رہا کرتے تھے جہاں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے تین دوست بھیجے۔ مگر اہل انطاکیہ ایمان نہ لائے۔ حضرت حبیب نجار نے جو مشرف بایمان تھے اپنی قوم سے کہا کہ ان کی راہ پر چلو۔ مگر انہوں نے بجائے اس کے کہ رو براہ ہوتے حضرت حبیب کو شہید کر دیا۔ شہادت کے بعد ان کو جناب باری سے حکم ہوا کہ بہشت میں جاؤ۔ وہ بولے کاش میری قوم کو میری نجات اور میری عزت کا حال معلوم ہو جائے۔ پس ظاہر ہوا کہ شہید خواہ کسی امت کا ہو جام شہادت چکھنے کے بعد نعمت بہشت سے متمتع ہوتا ہے۔

۵- اِنَّ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَاسۡتَكۡبَرُوۡا عَنۡهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ‌ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝ (الاعراف:۴۰)

بے شک جنہوں نے جھٹلائیں ہماری آیتیں اور ان کے سامنے تکبر کیا نہ کھلیں گے ان کے لیے دروازے آسمان کے اور نہ داخل ہوں گے جنت میں جب تک داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں اور ہم یوں بدلہ دیتے ہیں گنہگاروں کو۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ کافر کی روح کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے جیسا کہ خود حضور اقدس ﷺ نے اس کی تفسیر فرما دی۔ چنانچہ تفسیر اتقان (مطبوعہ مصر، جزء ثانی، ص ۱۹۴) میں ہے:

اخرج احمد وابوداود والحاكم وغيرهم عن البراء بن عازب ان رسول الله ﷺ ذكر العبد الكافر اذا قبضت روحه قال فيصعدون بها فلا يمرون على ملاء من الملائكه الا قالوا ما هذا الروح الخبيث حتى ينتهى بها الى السماء الدنيا فيستفتح فلا يفتح له ثم قرء رسول الله ﷺ لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ فيقول الله اكتبوا كتابه فى سجين فى الارض السفلى فتطرح روحه ثم قرء رسول الله ﷺ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ۔

(سورہ حج:۳۱)

امام احمد و ابوداؤد و حاکم وغیرہ نے بروایت براء بن عازب نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافر بندے کا ذکر کیا کہ جس وقت اس کی روح قبض کی جاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ فرشتوں کی جس جماعت سے وہ گزرتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ یہ کیسی خبیث روح ہے۔ یہاں تک کہ اسے پہلے آسمان تک لے جاتے ہیں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ دروازہ کھولو۔ مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھلتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بطور شاہد یہ آیت پڑھی لَا تُفَتَّحُ لَهُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نامہ

سجین میں لکھو جو سب سے نیچے کی زمین میں ہے پھر اس کی روح سخت پھینکی جاتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بطور شاہد یہ آیت پڑھی و من یشرک باللہ (اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اچکتے ہیں اس کو اڑتے جانور یا کہیں ڈالا اس کو ہوا نے کسی دور مکان میں)۔

۶ تا ۹۔ یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ○ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○ (الفجر: ۲۷-۳۰)

اے جی چین پکڑنے والے، چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر داخل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میرے بہشت میں۔

روح سے یہ خطاب خواہ موت کے وقت سمجھا جائے یا یوم بعث میں۔ اس سے روح کا جسم ہونا اور موت کے بعد باقی رہنا اظہر من الشمس ہے۔

۱۰۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ط قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ط وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ○ (البقرۃ: ۲۶۰)

اور جب کہا ابراہیم علیہ السلام نے اے رب دکھا مجھ کو کیونکر جلاوے گا تو مردے، فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا۔ کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے کہ تسکین ہو میرے دل کو۔ فرمایا تو پکڑ چار جانور اڑتے پھر ان کو ہلا اپنے ساتھ۔ پھر ڈال ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا۔ پھر ان کو پکار آئیں گے تیرے پاس دوڑتے۔ اور جان لے کہ اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

اس آیت کے تحت میں تفسیر در منثور میں ہے:

اخرج ابن المنذر عن الحسن قال اخذ دیکا وطاء وسا وغرابا وحماما فقطع رءوسھن وقوائمھن واجنحتھن ثم اتی الجبل فوضع علیه لحما ودما و ریشا ثم فرقه علی اربعه اجبال ثم نادی ایتھا العظام المتمزقه و اللحوم المتفرقه و العروق المتقطعه اجتمعن یرد الله فیکن ارواحکن فوثب العظم الی العظم وطارت الریشه الی الریشه وجری الدم الی الدم حتی رجع الی کل طائر دمه و لحمه و ریشه ثم اوحی الله الی ابراهیم انک سالتنی کیف احی الموتی و انی خلقت الارض و جعلت فیها اربعه ارواح الشمال والصبا والجنوب و الدبور حتی اذا کان یوم القیامه نفخ نافخ فی الصور فیجتمع من فی الارض من القتلی والموتی کما اجتمعت اربعه اطیار من اربعه اجبال ثم قرء ما خلقکم ولا بعثکم الا کنفس واحده۔

ابن منذر (متوفی ۳۱۸ھ) نے روایت کی کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک مرغ، ایک مور، ایک کوا اور ایک کبوتر لیا۔ پس ان کے سر اور ان کے ہاتھ پاؤں اور ان کے بازو کاٹ ڈالے۔ پھر آپ پہاڑ کو آئے۔ اور گوشت اور خون اور پر اس پر رکھ دیے۔ پھر ان سب کو چار پہاڑوں پر تقسیم کر دیا۔ پھر یوں پکارا اے پارہ شدہ ہڈیو اور پراگندہ گوشتو اور کٹی ہوئی رگو، اکٹھے ہو جاؤ۔ اللہ تمہاری

روحیں تم میں پھر ڈال دے گا۔ پس ہڈی، ہڈی کی طرف بھاگی اور پر، پر کی
طرف اڑا اور خون، خون کی طرف چلا یہاں تک کہ ہر پرندے کے پاس
اس کا خون اور گوشت اور پر آ گئے۔ پھر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ
السلام کی طرف وحی کی کہ تو نے مجھ سے سوال کیا کہ میں مردوں کو کس
طرح زندہ کروں گا، اور میں نے زمین پیدا کی ہے اور اس میں چار ہوائیں
شمالی، غربی، جنوبی اور شرقی بنائیں۔ یہاں تک کہ جب قیامت کا دن ہو گا،
ایک پھونکنے والا صور پھونکے گا۔ پس جمع ہو جائیں گے جو مقتولین اور
مردے زمین میں ہیں جیسا کہ چار پہاڑوں سے چار پرندے جمع ہو گئے۔
پھر امام حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے یہ آیت پڑھی ما خلقکم ولا
بعثکم الا کنفس واحدہ (تم سب کا بنانا اور مرے پر جلانا وہ
ہے جیسا ایک جی کا)

اس سے معلوم ہوا کہ پرندوں کی روحیں بھی مرنے کے بعد باقی رہتی ہیں۔ اس
مقام پر یہ امر بھی خاص توجہ کے قابل ہے کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلوۃ
والسلام نے خدا کے حکم سے پرندوں کے گوشت و پوست کو پکارا۔ آج کل اگر کوئی
شخص کسی ولی یا بزرگ کے مزار مبارک پر جا کر ندا کرے تو بعض نادان اسے مشرک
بتاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے نادانوں کو سمجھ دے۔ آمین ثم آمین۔

احادیث مبارکہ

۱- عن ام سلمه قالت دخل رسول الله ﷺ ابی
سلمه وقد شق بصره فاغمضه ثم قال ان الروح اذا
قبض اتبعه البصر فضج ناس من اهله فقال لا تدعوا
علی انفسکم الا بخیر فان الملائکه تومنون علی

ما تقولون- رواه مسلم

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ابو سلمہ کے پاس
آئے۔ اس حال میں کہ اس کی آنکھ کھلی رہ گئی تھی۔ پس آپ نے اسے
بند کر دیا۔ پھر فرمایا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ اس کی طرف
متوجہ ہوتی ہے (اور اس سبب سے آنکھ کھلی رہ جاتی ہے) پس حضرت ابو
سلمہ کے اہل خانہ میں سے لوگ فریاد کرنے لگے اس پر حضور ﷺ
نے فرمایا کہ اپنی ذاتوں پر بجز نیکی دعا نہ کرو کیونکہ فرشتے تمہاری دعا پر
آمین کہتے ہیں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ، باب ما یقال عند من حضرہ الموت)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت روح بدن سے علیحدہ ہو جاتی
ہے۔

۲- عن ابی هریره ان رسول الله ﷺ قال اذا خرجت
روح المومن تلقاها ملکان یصعد انها قال حماد
فذکر من طیب ریحها و ذکر المسک قال و یقول
اهل السماء روح طیبه جاءت من قبل الارض صلی
الله علیک وعلی جسد کنت تعمرینه فینطلق به
الی ربه ثم یقول انطلقوا به الی اخر الاجل قال وان
الکافر اذا خرجت روحه قال حماد وذکر من نتنها و
ذکر لعنا و یقول له اهل السماء روح خبیثه جاءت
من قبل الارض فیقال انطلقوا به الی الاجل قال
ابوهریره فرد رسول الله ﷺ ریطه کانت علیه علی
انفه هکذا- رواه مسلم

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مومن کی روح نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے پیش آتے ہیں جو اس کو اوپر لے جاتے ہیں۔ حماد نے کہا کہ پھر ذکر فرمایا آنحضرت ﷺ نے اس کی خوشبو کا اور اس کی کستوری کا۔ فرمایا کہ آسمان والے کہتے ہیں پاک روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ رحمت بھیجے تجھ پر تیرا پروردگار اور اس جسم پر جسے تو آباد رکھتی تھی' پس وہ رب کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو لے جاؤ آخر اجل تک۔ فرمایا حضور اقدس ﷺ نے کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ کہا حماد نے کہ حضور ﷺ نے ذکر فرمایا اس کی بدبو کا اور اس کی لعنت کا۔ اور آسمان والے کہتے ہیں خبیث روح زمین کی طرف سے آئی ہے۔ پس کہا جاتا ہے اس کو لے جاؤ آخر اجل تک۔ ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے چادر کو جو آپ پر تھی' اپنے ناک مبارک پر یوں رکھا۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ' باب مایقال عند من حضرہ الموت)

اس حدیث سے موت کے بعد روح کا باقی رہنا محتاج بیان نہیں۔

۳- عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ اذا وضعت الجنازہ فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت صالحه قالت قدمونی و ان کانت غیر صالحه قالت لاهلها یاویلها این تذهبون بها یسمع صوتها کل شیئی الا الانسان و لو سمع الانسان لصعق-رواہ البخاری

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت میت نعش پر رکھی جاتی ہے تو اس کو لوگ اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں پس اگر میت نیکوکار ہو تو کہتی ہے مجھے آگے لے چلو۔ اور اگر نیکوکار نہ ہو تو اپنے آدمیوں کو کہتی ہے ہائے خرابی اس کی' اسے کہاں لے جاتے ہو۔ اس کی آواز کو انسان کے سوا ہر شے سنتی ہے۔ اگر انسان سنے تو بے شک ہلاک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ' باب المشی بالجنازۃ والصلوۃ علیها)

اس حدیث سے میت کا نعش پر چلانا اور واویلا کرنا صاف ظاہر ہے۔

۴- حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ابو عامر ثنا عبدالملک بن حسن الحارثی ثنا سعید بن عمرو بن سلیم قال سمعت رجلا منا قال عبدالملک نسیت اسمه ولکن اسمه معاویه او ابن معاویه یحدث عن ابی سعید الخدری ان النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم قال ان المیت یعرف من یحمله ومن یغسله ومن یدلیه فی قبره فقال ابن عمر وهو فی المجلس ممن سمعت هذا قال من ابی سعید فانطلق ابن عمر الی ابی سعید فقال یا ابا سعید ممن سمعت هذا قال من النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم۔

بیان کیا ہم سے عبداللہ نے کہ بیان کیا مجھ سے میرے باپ نے کہ بیان کیا ہم کو ابو عامر نے کہ بیان کیا ہم کو عبدالملک بن حسن حارثیؒ نے کہ بیان کیا ہم سے سعید بن عمرو بن سلیم نے کہ کہا' میں نے ہم میں سے

ایک شخص کو سنا (کہا عبدالملک(۱) نے کہ میں اس کا نام بھول گیا' مگر اس کا نام معاویہ یا ابن معاویہ ہے) کہ ابو سعید خدری سے بیان کرتا تھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مردہ پہچانتا ہے اسے جو اس کو اٹھاتا ہے اور جو اسے غسل دیتا ہے اور جو اسے قبر میں اتارتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عمر نے جو اس مجلس میں تھے' پوچھا کہ تو نے یہ کس سے سنا۔ اس نے کہا ابو سعید سے۔ پس حضرت ابن عمر حضرت ابو سعید کے پاس گئے اور پوچھا اے ابو سعید تو نے یہ کس سے سنا۔ حضرت ابو سعید نے جواب دیا کہ نبی ﷺ سے۔ (مسند امام احمد بن حنبل' مطبوعہ مصر' جزء ثالث' ص ۳)

اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور ابن ابی الدنیا اور مروزی اور ابو منذر نے بھی روایت کیا ہے۔ (شرح الصدور فی احوال الموتی و القبور' مطبوعہ مصر' ص ۱۷) اس کے شواہد بکثرت ہیں جو شرح الصدور کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ نظر بر اختصار ہم یہاں اور دلائل پیش نہیں کرتے۔

سوال

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ إِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران:۱۸۵)

ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو پورے بدلے ملیں گے دن قیامت کے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ ہر روح کے لیے موت ہے۔

جواب

ابن حزم ظاہری (متوفی ۴۵۶ھ) نے یوں لکھا ہے:

(۱) عبدالملک کی نسبت امام احمد نے فرمایا لاباس بہ۔ ابن معین نے کہا ثقہ ہے۔ ابو حاتم نے کہا شیخ ہے' ابن المدینی نے کہا معروف ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (تہذیب التہذیب' جزء سادس)

فان سال سائل اتموت النفس قلنا نعم لان الله تعالى نص على ذلك فقال كل نفس ذائقه الموت وهذا الموت انما هو فراقها للجسد فقط۔ برهان ذلك قول الله تعالى اخرجوا انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون۔ و قوله تعالى كيف تكفرون بالله و كنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم۔ فصح ان الحياه المذكوره انما هى ضم الجسد الى النفس وهو نفخ الروح فيه وان الموت المذكور انما هو التفريق بين الجسد و النفس فقط وليس موت النفس مما يظنه اهل الجهل و اهل الالحاد من انها تعدم جمله بل هى موجوده قائمه كما كانت قبل الموت وقبل الحياه الاولى ولا انها يذهب حسها و علمها بل حسها بعد الموت اصح ما كان وعلمها اتم ما كان وحياتها التى هى الحس والحركه الاراديه باقيه بحسبها اكمل ما كانت قط قال عزوجل وان الدار الاخره لهى الحيوان لو كانوا يعلمون۔

اگر کوئی سائل پوچھے کہ روح مرجاتی ہے؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ ہاں۔ کیونکہ اس پر یہ نص قرآن موجود ہے كل نفس ذائقه الموت اور یہ موت فقط بدن سے اس کی جدائی ہے۔ اس کی برہان اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون

نکالو اپنی جان، آج تم کو ملے گی ذلت کی مار۔

اور یہ ارشاد الٰہی ہے:

کیف تکفرون باللہ و کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔

تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مردے۔ پھر اس نے تم کو جلایا۔ پھر تم کو مارتا ہے، پھر تم کو جلا دے گا۔

پس ثابت ہوا کہ حیات مذکورہ صرف بدن کا روح سے ملانا ہے اور وہ روح کا اس میں پھونکا جانا ہے اور موت مذکور فقط بدن اور روح میں جدائی کا نام ہے۔ اور روح کی موت یہ نہیں جیسا کہ جاہل اور بے دین لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ بالکل معدوم ہو جاتی ہے بلکہ وہ موجود و قائم ہے۔ جیسا کہ موت سے پہلے اور حیات اولیٰ سے پہلے تھی۔ اور نہ روح کی موت یہ ہے کہ اس کی حس اور اس کا علم جاتا رہتا ہے بلکہ موت کے بعد اس کا ادراک پہلے سے زیادہ صحیح اور اس کا علم پہلے سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور اس کی حیات جو حس و حرکت ارادیہ ہے وہ بدستور پہلے سے اکمل حالت میں باقی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

و ان الدار الاخرہ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون۔

اور پچھلا گھر جو ہے سو یہی ہے جینا اگر یہ سمجھ رکھتے۔

(کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، جزء خامس، ص ۸۸)

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے:

والصواب ان یقال موت النفوس ھو مفارقتھا

لاجسادھا و خروجھا منھا فان ارید بموتھا ھذا القدر فھی ذائقہ الموت و ان ارید ان تعدم و تضمحل و تصیر عدما محضا فھی لاتموت بھذا الاعتبار بل ھی باقیہ بعد خلقھا فی نعیم او عذاب حتی یردھا اللہ فی جسدھا۔

اور درست یوں ہے کہ کہا جائے کہ روحوں کی موت ان کا بدنوں سے جدا ہو جانا اور نکل جانا ہے۔ پس اگر روحوں کی موت سے اتنا ہی مراد ہو تو وہ موت کے چکھنے والی ہیں اور اگر یہ مراد ہو کہ وہ معدوم و نیست اور عدم محض ہو جاتی ہیں تو ایسی موت روحوں کو نہیں، بلکہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے آسائش میں یا عذاب میں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدن میں پھر ڈالے گا۔ (کتاب الروح، ص ۵۲-۵۳)

تفسیر روح البیان میں ہے:

(کل نفس ذائقہ الموت) ای تخرج وتنفک من البدن بادنی شی من الموت فکنی بالذوق عن القلہ۔

(ہر جی کو چکھنی ہے موت) یعنی ہر روح نکلتی ہے اور جدا ہوتی ہے بدن سے ذرا سی موت کے ساتھ۔ پس چکھنے کے ساتھ قلت سے کنایہ کیا گیا۔

اور اس قول (اور تم کو پورے بدلے ملیں گے دن قیامت کے) میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بعضے بدلے قیامت سے پہلے ملیں گے اور وہ عذاب و نعیم قبر ہے۔ اسی واسطے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے:

القبر روضہ من ریاض الجنہ او حفرہ من حفر النیران۔

قبر بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

سوال

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی حنفی (متوفی ۷۰۱ھ) تفسیر مدارک میں لکھتے ہیں:

(الله يتوفى الانفس حين موتها) الانفس الجمل كما هي وتوفيها اماتتها وهوان يسلب ماهي به حيه حساسه دراكه-

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ روح کی موت یہ ہے کہ جس چیز سے روح زندہ حس کرنے والی اور ادراک کرنے والی ہے وہ سلب کرلی جائے۔

جواب

تفسیر مدارک میں یہ عبارت تفسیر کشاف سے درج کر دی گئی ہے جو جار اللہ زمخشری معتزلی (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہے۔ اور زمخشری نے حسب عادت الله يتوفى الانفس (الايه) کی تفسیر بھی معتزلہ کے مسلک پر کی ہے جو بالعموم عذاب قبر اور سوال منکر و نکیر کے منکر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ تفسیر مدارک میں یہ عبارت سہوا درج ہوئی ہے۔ جیسا کہ علامہ نسفی کی دیگر تصانیف سے ظاہر ہے۔ چنانچہ علامہ موصوف کی کتاب کافی شرح وافی میں ہے:

الروح لا يموت لكنه زال عن قالب فلان-

روح نہیں مرتی بلکہ بدن سے جدا ہو جاتی ہے۔

(حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق للزیلعی)

علامہ نسفی نے ذکر کیا کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ روح باقی رہتی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام تقی الدین سبکی لکھتے ہیں:

والنفس باقيه بعد موت البدن عالمه باتفاق المسلمين-

مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بدن کی موت کے بعد روح باقی رہتی ہے اور متصف بعلم ہوتی ہے۔

(شفاء السقام' باب تاسع' فصل خامس)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں:

ذهب اهل الملل من المسلمين وغيرهم الى ان الروح تبقى بعد موت البدن-

اہل مذاہب مسلمان و غیر مسلمان اس بات کی طرف گئے ہیں کہ بدن کی موت کے بعد روح باقی رہتی ہے۔

(شرح الصدور' ص۱۲۸)

شیخ عبدالوہاب شعرانی تحریر فرماتے ہیں:

اعلم ان العلماء اختلفوا فی فناء النفس عند القيامه و اتفقوا علی بقائها بعد موت جسدها-

جان لے کہ عالموں نے قیامت کے نزدیک روح کے فناء ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ اور بدن کی موت کے بعد اس کے باقی رہنے پر اتفاق کیا ہے۔

(کتاب الدرر و الیواقیت مصری' جزء ثانی' ص۱۳۱)

۳- قبر میں روح کا بدن میں ڈالا جانا

سنن ابی داؤد میں ہے:

حدثنا عثمان بن ابی شیبه ناجریرح وناهناد ابن السری قال نا ابو معاویه و هذا لفظ هناد عن الاعمش عن المنهال عن زاذان عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول الله ﷺ فی جنازه رجل من الانصار فانتهینا الی القبر و لما یلحد فجلس رسول الله ﷺ وجلسنا حوله کانما علی رءوسنا الطیر وفی یده عود ینکث به فی الارض فرفع راسه فقال استعیذوا بالله من عذاب القبر مرتین او ثلاث زاد فی حدیث جریر ههنا و قال انه لیسمع خفق نعالهم اذا ولوا مدبرین حین یقال له یا هذا من ربک ومادینک ومن نبیک قال هناد قال ویاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک فیقول ربی الله فیقولان له ما دینک فیقول دینی الاسلام

فیقولان له ما هذا الرجل الذی بعث فیکم قال فیقول هو رسول الله ﷺ فیقولان و مایدریک فیقول قرات کتاب الله فامنت و صدقت زاد فی حدیث جریر فذلک قول الله تعالی یثبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوه الدنیا و فی الاخره الایه ثم اتفقا قال فینادی مناد من السماء ان صدق عبدی فافرشوه من الجنه والبسوه من الجنه وافتحوا له بابا الی الجنه قال فیاتیه من روحها و طیبها قال ویفتح له فیها مد بصره قال وان الکافر فذکر موته قال و تعاد روحه فی جسده و یاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان من ربک فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان له مادینک فیقول هاه هاه لا ادری فیقولان ماهذا الرجل الذی بعث فیکم فیقول هاه هاه لا ادری فینادی مناد من السماء ان کذب فافرشوه من النار والبسوه من النار وافتحوا له بابا الی النار قال فیاتیه من حرها و سمومها قال و یضیق علیه قبره حتی تختلف فیه اضلاعه زاد فی حدیث جریر قال ثم یقیض له اعمی ابکم معه مرزقه من حدید لو ضرب بها جبل لصار ترابا قال فیضربه بها ضربه یسمعها مابین المشرق و المغرب الا الثقلین فیصیر ترابا قال ثم یعاد فیها الروح۔

حدیث بیان کی ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے کہ خبردی ہم کو جریر نے (اسناد دیگر) اور خبردی ہم کو ہناد بن السری نے' کہا خبردی ہم کو ابو معاویہ نے اور یہ روایت کے الفاظ ہیں ہناد کے اعمش سے اور اعمش کے منہال سے اور منہال کے زاذان سے اور زاذان کے براء بن عازب سے۔ کہا براء بن عازب نے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انصار میں سے ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ پس آخر ہم قبر تک پہنچے اور وہ دفن نہ کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے اور ہم آپ کے گرد (ادب سے ایسے چپ چاپ) بیٹھ گئے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے تھے۔ اور آپ کے ہاتھ مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کریدتے تھے۔ پس آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ قبر کے عذاب سے خدا کی پناہ مانگو۔ یہ آپ نے دو یا تین دفعہ فرمایا۔ حدیث جریر میں راوی نے یہ زیادہ کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مردہ بے شک جنازے کے ساتھیوں کی آواز سنتا ہے جب اسے دفن کر کے لوٹتے ہیں۔ جس وقت اسے کہا جاتا ہے' اے فلاں تیرا رب کون ہے' تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے۔ ہناد نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ پس اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں' تیرا دین کیا ہے۔ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر وہ پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہیں جو تم میں بھیجے گئے۔ وہ کہتا ہے یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ پھر وہ پوچھتے ہیں تجھے کیونکر معلوم ہوا۔ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی' پس میں آپ پر ایمان لایا اور آپ کو سچا جانا۔ حدیث جریر میں راوی نے یہ زیادہ کیا ہے۔ پس اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوہ الدنیا و فی الاخرہ۔

مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ (ابراہیم:۲۷)

پھر دونوں کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا پھر آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا۔ پس اس کے لیے بہشت سے ایک فرش بچھا دو اور بہشت سے ایک لباس پہنا دو اور اس کے لیے بہشت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ فرمایا حضور اقدس ﷺ نے کہ اسے بہشت کی راحت و خوشبو آتی ہے اور اس کے لیے قبر میں اس کی حد نگاہ تک کشادگی کر دی جاتی ہے۔

فرمایا حضور اقدس نے کہ رہا کافر' سو آپ نے اس کی موت کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ اس کی روح اس کے بدن میں پھر ڈالی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ اسے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے' وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر وہ کہتے ہیں یہ شخص کون ہے جو تم میں بھیجے گئے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پس آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ یہ جھوٹ بولا۔ پس اس کے لیے دوزخ سے ایک فرش بچھا دو۔ اور دوزخ سے ایک لباس پہنا دو اور اس کے لیے دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اسے دوزخ کی گرمی اور ہوا آتی ہے اور فرمایا کہ اس پر قبر تنگ کی جاتی ہے یہاں تک کہ اس میں اس کی پسلیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔

(باب المسالہ فی القبر وعذاب القبر)

حدیث جریر میں راوی نے یہ زیادہ کیا ہے کہ فرمایا حضور اقدس نے پھر اس پر مقرر کیا جاتا ہے ایک اندھا گونگا فرشتہ، جس کے پاس لوہے کی ایک ایسی گرز ہوتی ہے کہ اگر اسے پہاڑ پر مارے تو پہاڑ مٹی ہو جائے۔ پس وہ اس گرز سے ایک ضرب لگاتا ہے کہ جسے انس و جن کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان تمام موجودات سنتی ہیں۔ پس وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ حضور اقدس نے فرمایا کہ اس میں پھر روح ڈالی جاتی ہے۔

مشکوۃ شریف میں یہ حدیث بروایت امام احمد منقول ہے جس پر مرقات میں یوں لکھا ہے:

قال میرک وھو حدیث حسن وقال السیوطی و رواہ ابوداود فی سننه والحاکم فی مستدرکه وابن ابی شیبه فی مصنفه والبیھقی فی کتاب عذاب القبر والطیالسی وعبد فی مسندیھما وھناد بن السری فی الزھد وابن جریر وابن ابی حاتم وغیرہ من طرق صحیحه۔

کہا میرک نے کہ یہ حدیث حسن ہے اور کہا سیوطی نے کہ اس حدیث کو روایت کیا ہے صحیح طریقوں سے ابوداؤد نے اپنی سنن میں۔ حاکم نے اپنی مستدرک میں، ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں۔ بیہقی نے کتاب عذاب القبر میں، طیالسی اور عبد بن حمید نے اپنی اپنی مسند میں، ھناد بن سری نے زہد میں اور ابن جریر و ابن ابی حاتم وغیرہ نے۔

امام الدنیا رئیس المجتہدین سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی تحریر فرماتے ہیں:

ابوحنیفه عن علقمه بن مرثد بن سعد بن عبیده عن رجل من اصحاب رسول الله صلی الله علیه

وسلم عن النبی صلی الله علیه وسلم قال اذا وضع المومن فی قبره اتاه الملک فاجلسه فیقول من ربک فیقول ربی الله قال من نبیک قال محمد قال وما دینک فیقول الاسلام دینی قال فیفسح له فی قبره ویری مقعده من الجنه واذا کان کافرا اجلسه الملک فیقول من ربک قال هاه کالمضل شیئا فیقول من نبیک فیقول هاه کالمضل شیئا فیقول مادینک فیقول هاه کالمضل شیئا فیضیق علیه قبره ویری مقعده من النار فیضربه ضربه یسمعه کل شی الا الثقلین الجن والانس ثم قرء رسول الله ﷺ یعبت الله الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوه الدنیا وفی الاخره ویضل الله الظالمین ویفعل الله مایشاء۔ قال الحارثی هکذا رواه عامر بن الفرات عن ابی حنیفه وھو اصح الاسانید۔ وقد اختلف فیه فرواه الاعمش وشعبه عن علقمه عن سعد بن عبیده عن البراء بن عازب و عامر بن الفرات ثقه حفظ الحدیث علی وجهه و ساق الاسناد علی السواء وعلم من روایه الجماعه ان الرجل المبهم فی روایه الامام ھو البراء والله اعلم۔

واخرجه احمد فی حدیث طویل وفیه زیاده و نقص وکذا الطیالسی وابن ابی شیبه وابن منیع و

رواہ ابوداود و النسائی و ابن ماجہ باختصار و فی المتفق علیہ من حدیث البراء ان المسلم اذا سئل فی قبرہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ فی قبرہ فذلک قولہ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت۔

امام ابو حنیفہ نے روایت کی علقمہ بن مرثد سے۔ علقمہ نے سعد بن عبیدہ سے، سعد نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب مومن قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے بٹھا کر پوچھتا ہے تیرا رب کون ہے، وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، وہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے، وہ کہتا ہے محمد (ﷺ)، وہ پوچھتا ہے تیرا دین کیا ہے، وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پس اس کے لیے قبر میں کشادگی کر دی جاتی ہے اور وہ بہشت میں اپنی جگہ دیکھتا ہے۔

اگر مردہ کافر ہو تو فرشتہ اسے بٹھا کر پوچھتا ہے، تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے ہائے جیسا کہ وہ شخص جس کی کوئی شے گم ہو جائے۔ پھر وہ پوچھتا ہے تیرا نبی کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے جیسا کہ وہ شخص جس کی کوئی شے گم ہو جائے۔ پھر وہ پوچھتا ہے تیرا دین کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ہائے جیسا کہ وہ شخص جس کی کوئی شے گم ہو جائے۔ پس اس پر قبر تنگ ہو جاتی ہے اور وہ دوزخ میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اور فرشتہ اس کو ایسی مار مارتا ہے کہ جسے جن و انس کے سوا ہر شے سنتی ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے (بطور شاہد) یہ آیت پڑھی یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرہ و

یضل اللہ الظلمین و یفعل اللہ ما یشاء۔ حارثی(۱) نے کہا کہ اس حدیث کو عامر بن فرات نے امام ابو حنیفہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ سب اسنادوں سے زیادہ صحیح اسناد ہے۔ اور اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس کو امام اعمش و شعبہ نے علقمہ سے اور علقمہ نے سعد بن عبیدہ سے اور سعد نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے عامر بن فرات ثقہ ہیں، ان حضرات کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی روایت میں "ایک صحابی" سے مراد حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور امام احمد نے اسے ایک لمبی حدیث میں روایت کیا ہے اور اس میں کمی بیشی ہے۔ اور اسی طرح طیالسی و ابن ابی شیبہ و ابن منیع نے روایت کیا ہے اور ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ نے اسے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔ اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث براء میں ہے کہ جب مسلمان سے قبر میں سوال ہوتا ہے تو وہ اپنی قبر میں شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ یہی معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس قول کے یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت۔

(عقود الجواہر المنیفہ فی ادلہ مذہب الامام ابی حنیفہ، مطبوعہ مصر، باب سوال القبر و عذابہ)

سیدنا ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورۂ بالا میں بنا بر اختصار اعادہ روح کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ امام صاحب اعادۂ روح کے قائل

(۱) عبداللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث بن الخلیل الحارثی السبذ موتی ۲۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور شوال ۳۴۰ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ بخارا کے ایک گاؤں سبذ موت میں پیدا ہوئے تھے اس لیے آپ کو سبذ موتی کہتے ہیں۔ آپ استاد کے لقب سے مشہور ہیں۔ ابو عبداللہ بن مندہ نے آپ سے اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔ آپ نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی ایک مسند تصنیف فرمائی اور امام صاحب کے مناقب میں کتاب کشف الآثار فی مناقب ابی حنیفہ لکھی۔ دیکھو الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ۔

نہیں۔ فقہ اکبر میں یہ صاف لکھا ہے:

واعادہ الروح الی العبد فی قبرہ حق۔

قبر میں بندے کی طرف روح کا لوٹایا جانا حق ہے۔

حدیث زیر بحث میں الفاظ (فتعاد روحہ فی جسدہ) کے تحت ملا علی القاری حنفی نے مرقات میں یوں لکھا ہے:

ظاهر الحديث ان عود الروح الی جمیع اجزاء بدنه فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض ولاالی قول ابن حجر الی نصفه فانه لا یصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحه النقل۔

ظاہر حدیث یہ ہے کہ روح کا لوٹنا بدن کے تمام اجزاء کی طرف ہوتا ہے۔ لہٰذا بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ روح کا اعادہ بعض اجزاء کی طرف ہوتا ہے' ان کا قول قابل توجہ نہیں اور نہ ابن حجر کا قول کہ اعادہ نصف بدن تک ہوتا ہے قابل التفات ہے۔ کیونکہ اپنی عقل سے کہنا درست نہیں بلکہ صحیح نقل کی ضرورت ہے۔

امام نووی شافعی (متوفی ۶۷۶ھ) شرح مسلم (باب عرض مقعد المیت من الجنه والنار علیه واثبات عذاب القبر) میں یوں لکھتے ہیں:

ثم المعذب عند اهل السنه الجسد بعینه او بعضه بعد اعاده الروح الیه اوالی جزء منه۔

پھر معذب اہل سنت کے نزدیک جسم بعینہ ہے یا اس کا بعض بعد از آنکہ روح اس کی طرف یا اس کے ایک جزء کی طرف لوٹائی جائے۔

ابن حزم ظاہری جس کا مذہب یہ ہے کہ قبر میں صرف روح کو سوال ہوتا ہے' یوں اعتراض کرتا ہے:

سوال نمبر۱

جس کا یہ ظن ہے کہ مردہ قبر میں قیامت سے پہلے زندہ کیا جاتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ آیات ذیل اس کو جھٹلاتی ہیں:

۱۔ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ۝ (مومن: ۱۱)

بولے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا ہم کو دو بار۔ اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے۔ پھر اب بھی ہے نکلنے کی کوئی راہ۔

۲۔ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ۔ (بقرہ: ۲۸)

تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مردے۔ پھر اس نے تم کو جلایا۔ پھر تم کو مارتا ہے' پھر جلا دے گا پھر اسی کے پاس الٹے جاؤ گے۔

۳۔ اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ (زمر: ۴۲)

اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا' اور جو نہ مریں اپنی نیند میں پس رکھ چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرایا۔ اور بھیجتا ہے دوسروں کو ایک مقررہ وعدے تک۔ البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو دھیان کریں۔

پہلی دو آیتوں سے ظاہر ہے کہ انسان کے لیے دو دفعہ حیات اور دو دفعہ موت ہے۔ کیونکہ جب باپ کی پشت اور ماں کے رحم میں نطفہ ہوتا ہے تو مردہ ہوتا ہے پھر نفخ روح سے زندہ ہو جاتا ہے۔ پھر حیات دنیوی کے بعد مرجاتا ہے۔ پھر قیامت کو زندہ

کیا جائے گا۔ لہٰذا اگر قبر میں پھر زندہ کیا جائے تو ہر ایک کے لیے تین بار حیات اور تین بار موت ہو جائے گی اور یہ خلاف قرآن ہے۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے لیے بطور معجزہ زندہ کیا وہ مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ۔(البقرہ:۲۴۳)

کیا تو نے نہ دیکھے وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر کہا اللہ نے ان کو مرجاؤ، پھر ان کو جلا دیا۔

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيِىْ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ۔(البقرہ:۲۵۹)

یا جیسے وہ شخص کہ گزرا ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔ بولا کہاں زندہ کرے گا اس کو اللہ مرنے کے بعد، پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس۔ پھر اٹھایا اس کو۔

اسی طرح تیسری آیت سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ روح کو روک لیتا ہے۔ پس نص قرآنی سے ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد قیامت سے پہلے روحیں اپنے بدنوں کی طرف نہ لوٹائی جائیں گی۔

(کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل، جزء رابع، ص ۶۷)

جواب

علامہ ابن قیم نے اس اعتراض کا یوں جواب دیا ہے کہ ابن حزم کے اس قول (جس کا یہ ظن ہے الخ) میں اجمال ہے۔ اگر اس سے اس کی مراد ویسی حیات ہو جو دنیا میں ہوتی ہے کہ جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس بدن میں تدبیر و تصرف کرتی ہے۔ اور بدن اس کے ساتھ کھانے پینے پہننے کا محتاج ہوتا ہے۔ تو یہ خطا

ہے اور نص کی طرح حس و عقل بھی اس کی تکذیب کرتی ہے، اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اعادۂ روح سے حیات دنیوی کے مغایر ایک حیات حاصل ہو جاتی ہے جس سے قبر میں میت سے سوال کیا جاتا ہے اور اس کا امتحان ہوتا ہے تو یہ حق ہے اور اس کا نہ ماننا خطا ہے اور اسی پر نص صحیح صریح دلالت کرتی ہے اور وہ آنحضرت ﷺ کا یہ قول ہے:

ثم تعاد روحه في جسده۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

پہلی دو آیتیں بدن میں اس روح کے عارضی اعادہ کی نافی نہیں جیسا کہ بنی اسرائیل(۱) کا قتیل جس کو اللہ تعالیٰ نے قتل کے بعد زندہ کیا پھر مار دیا اس کی عارضی حیات سوال کے لیے معتد بہا نہ سمجھی گئی کیونکہ وہ ایک لحظہ کے لیے زندہ کیا گیا کہ کہا فلاں شخص نے مجھے قتل کیا پھر مر گیا۔ علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا قول مذکور حیات مستقرہ پر دلالت نہیں کرتا۔ صرف بدن کی طرف اعادہ روح اور اس کے ساتھ تعلق پر دلالت کرتا ہے اور بدن کے ساتھ روح کا تعلق قائم رہتا ہے۔ خواہ بدن بوسیدہ و پراگندہ ہو جائے۔ اس میں راز یہ ہے کہ روح کو بدن سے پانچ قسم کا تعلق ہے اور ہر قسم کے احکام مختلف ہیں۔

اول: روح کا تعلق بدن سے ماں کے پیٹ میں جنین ہونے کی حالت میں۔

دوم: روح کا تعلق بدن سے پیدائش کے بعد۔

سوم: روح کا تعلق بدن سے سونے کی حالت میں کہ ایک طرح سے اسے بدن سے تعلق ہوتا ہے اور ایک طرح سے جدائی ہوتی ہے۔

(۱) بنی اسرائیل میں ایک شخص مارا گیا تھا۔ اس کا قاتل معلوم نہ تھا۔ اس کے وارث ہر کسی پر دعویٰ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو زندہ کیا۔ اس نے بتایا کہ ان وارثوں ہی نے مجھے مارا تھا۔ واذ قتلتم نفسا فادرء تم فيها۔ الایات (بقرہ: ۷۲) میں اسی قصے کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

چہارم: روح کا تعلق بدن سے برزخ میں۔ کیونکہ اگرچہ روح اس سے جدا ہوتی ہے مگر ایسا فراق کلی نہیں ہوتا کہ اسے بدن کی طرف بالکل التفات نہ رہے۔ اور وہ جو احادیث و آثار میں آیا ہے کہ جب مسلمان اپنے مردہ دینی بھائی کی قبر پر گزرے اور اسے سلام کہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح اس کی طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ وہ ایک خاص اعادہ ہے۔ جو قیامت سے پہلے بدن کی حیات کا موجب نہیں۔

پنجم: روح کا تعلق بدن سے قیامت کے دن۔ یہ تعلق سب تعلقات سے اکمل ہے اور پہلے انواع تعلق کو اس سے کچھ نسبت نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا تعلق ہے کہ جس کے ساتھ بدن نہ موت کو قبول کرے گا اور نہ فساد کو۔

تیسری آیت میں جو یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اس روح کو روک لیتا ہے، جس پر موت کا حکم ہو چکا۔ سو یہ اس امر کا نافی نہیں کہ روح اپنے مردہ بدن کی طرف کسی وقت میں عارضی طور پر لوٹائی جائے کہ ایسی حیات کا موجب نہ ہو جو دنیا میں ہوتی ہے۔ جس(۱) طرح سونے والے کی حیات حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے، جاگنے والے کی حیات سے مغائر ہوتی ہے۔ (کیونکہ نیند موت کی بہن ہے) اور سونے والے پر حیات کے اطلاق کی نافی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اعادۂ روح کے وقت میت کی حیات زندہ کی حیات سے مغائر ہوتی ہے اور یہ ایسی حیات ہوتی ہے کہ میت پر موت کے اطلاق کی نافی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ ایک حالت موت و حیات کے بین بین ہے جیسا کہ نیند ان دونوں کے بین بین ہے۔ اس تقریر پر غور کرنے سے بہت سے اشکال دور ہو سکتے ہیں۔ (کتاب الروح، ص ۶۷-۶۹)

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی یوں تحریر فرماتے ہیں:

و قولہ تعالی و احییتنا　　اللہ تعالیٰ کا قول (اور تو زندگی دے چکا

(۱) شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور للسیوطی، ص ۵۷۔

اثنتین ای حیاہ المسالہ فی القبر و حیاہ الحشر لانہما حیاتان عرفوا اللہ بہما و الحیاہ الاولی فی الدنیالم یعرفوااللہ بہا۔

ہم کو دوبارہ) یعنی قبر میں سوال کی زندگی اور حشر کی زندگی کیونکہ یہ دو زندگیاں وہ ہیں کہ جن سے ان کفار نے اللہ کو پہچانا اور دنیا میں پہلی زندگی جس سے انہوں نے اللہ کو نہ پہچانا۔

(شفاء السقام، باب تاسع، فصل ثالث)

شیخ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ انسان کی حیات چھ بار ہے۔

۱- یوم الست(۱) میں جب کہ وہ پشت آدم سے چیونٹیوں کی مانند نکالے گئے اور کہا جاتا ہے کہ یہ دو دفعہ ہوا۔ اور کہا گیا ہے کہ وہ ارواح بلا اجسام تھیں، مگر اہل سنت کے نزدیک حق یہ ہے کہ وہ اجسام سے مرکب تھیں۔ بعض لوگوں نے اس سے انکار کیا ہے اور بیضاوی وغیرہ سے تعجب ہے کہ وہ ان کے موافق ہے، حالانکہ بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس سے انکار کرنا دین میں الحاد ہے۔

۲- حیات دنیوی جسے ہر ایک جانتا ہے۔

۳- قبر میں منکر و نکیر کے سوال کے لیے زندہ کرنا۔

۴- احیاء ابراہیمی جس وقت کہ حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت پکار کر کہا(۲):

(۱) واذ اخذ ربک من بنی ادم من ظہورہم ذریتہم و اشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالوابلی شہدنا۔(اعراف: ۱۷۲)
اور جس وقت نکالی تیرے رب نے آدم کے بیٹوں کی پیٹھ سے ان کی اولاد اور اقرار کروایا ان سے ان کی جان پر کیا میں نہیں ہوں رب تمہارا، بولے البتہ ہم قائل ہیں۔

(۲) واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل
اور پکار دے لوگوں میں حج کے واسطے کہ آئیں تیری طرف پاؤں چلتے اور سوار ہو کر دبلے دبلے

(باقی حاشیہ نمبر(۲) بر صفحہ آئندہ)

الا ان ربکم قد بنی لکم بیتا فحجوہ-(الحدیث)　　دیکھو تمہارے رب نے تمہارے واسطے ایک گھر بنا دیا پس تم اس کا حج کرو۔

۵- احیاء محمدی- امام قشیری (متوفی ۴۶۵ھ) نے کتاب تحبیر فی علم التذکیر میں (اسمائے حسنیٰ میں سے) وھاب کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی یارب میں تورات میں ایک امت دیکھتا ہوں کہ جن کی انجیلیں ان کے سینوں میں ہیں۔ وہ کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حضرت محمد (ﷺ) کی امت ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ کے خصال جمیلہ بیان کرنے لگا یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی ملاقات کے مشتاق ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو ان کو نہ ملے گا لیکن اگر چاہے تو میں تجھ کو ان کی آوازیں سنا دیتا ہوں۔ پس خدا پاک نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کو پکارا حالانکہ وہ اپنے آباء و اجداد کی پشتوں میں تھے۔ وہ بولے لبیک یا ربنا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے سوال کرنے سے پہلے میں نے تم کو عطا کر دیا۔ اور بخشش مانگنے سے پہلے تم کو بخش دیا۔ امام قشیری نے اسے ذکر کیا ہے اور اس سے استدلال کیا ہے۔

۶- احیاء ابدی یعنی ہمیشہ کی زندگی جب کہ موت ذبح کی جائے گی اور کہا جائے گا اے اہل بہشت تمہارے واسطے ہیشگی بغیر موت کے ہے اور اہل دوزخ تمہارے واسطے ہیشگی بغیر موت کے ہے۔ یہ حیاتیں اور موتیں آیہ (ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین) کے مخالف نہیں۔ کیونکہ یہ قول کفار ہے۔ اگر ہم اس کی صحت

(بقیہ حاشیہ نمبر(۲) صفحہ گزشتہ)

ضامر یاتین من کل فج عمیق- (حج: ۲۷)　　اونٹوں پر چلے آنے والے راہوں پر دور سے۔

اس آیت کے متعلق موضح القرآن میں ہے کہ ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے پکارا کہ لوگو تم پر اللہ نے حج فرض کیا ہے، حج کو آؤ۔ باپ کی پشت میں لبیک کہا جن کی قسمت میں حج ہے ایک بار یا دو بار یا زیادہ۔

کو تسلیم کرلیں تو اس میں حصر نہیں کہ حیات و موت بس دو ہی بار ہوگی، لہٰذا دو سے زیادہ جائز ہوئیں، اور اگر ہم حصر کو بھی تسلیم کرلیں تو حیات و موت کا دو بار ہونا باعتبار قول مشہور ہے جسے سب جانتے ہیں۔ (فتاویٰ حدیثیہ، مطبوعہ مصر، ص ۹۱-۹۲)

سوال نمبر۲

ابن حزم کا دوسرا اعتراض حدیث براء بن عازب پر ہے۔ جو سنن ابی داؤد میں ہے اور وہ اعتراض بدیں الفاظ ہے:

ولم یات قط عن رسول اللہ ﷺ فی خبر یصح ان ارواح الموتی ترد الی اجسادھم عند المسئلہ و لوصح ذلک عنہ علیہ السلام لقلنا بہ فاذ لا یصح فلا یحل لاحد ان یقولہ وانما انفرد بھذہ الزیادہ من رد الارواح المنہال بن عمرو وحدہ ولیس بالقوی ترکہ شعبہ وغیرہ وسائر الاخبار الثابتہ علی خلاف ذلک و ھذا الذی قلنا ھوالذی صح ایضا عن الصحابہ رضی اللہ عنھم-

رسول اللہ ﷺ سے کسی صحیح حدیث میں یہ نہیں آیا کہ مردوں کی روحیں بدنوں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اگر یہ امر رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوتا تو ہم اس کے قائل ہوتے۔ چونکہ یہ ثابت نہیں اس لیے کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کا قائل ہو۔ قبر میں سوال کے وقت رد ارواح کا ذکر فقط منہال بن عمرو نے کیا ہے اور وہ قوی نہیں۔ شعبہ وغیرہ نے اسے ترک کر دیا ہے اور باقی تمام احادیث ثابتہ اس کے خلاف ہیں اور جو ہم نے کہا یہی صحابہ کرام سے ثابت ہے۔

(کتاب الفصل جزء رابع ص ۶۸)

جواب

علامہ ابن قیم نے اس اعتراض کا یوں جواب دیا ہے کہ ابن حزم نے جو یہ کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ صرف منہال بن عمرو ہی نے اسے روایت کیا ہے اور وہ قوی نہیں۔ سو اس کا یہ قول ہرزہ سرائی ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور زاذان کے علاوہ اسے براء بن عازب سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے جن میں عدی بن ثابت اور محمد بن عقبہ اور مجاہد ہیں۔ چنانچہ حافظ ابو عبداللہ بن مندہ (متوفی ۳۹۵ھ) نے کتاب الروح و النفس میں بروایت عدی بسند متصل (اخبرنا محمد بن یعقوب بن یوسف ثنا محمد بن اسحق الصفار انا ابوالنصر ھاشم بن القاسم حدثنا عیسی بن المسیب عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب) نقل کیا ہے کہ ملک الموت مومن کی روح کو قبض کرنے کے بعد عرش تک لے جاتا ہے۔ وہاں اس کا نام علیین میں لکھا جاتا ہے اور خدا حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کو اس کے خواب گاہ میں لے جاؤ کیونکہ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں نے ان کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر مٹی میں ان کو پہنچاؤں گا اور مٹی ہی میں سے ایک اور دفعہ ان کو نکالوں گا۔ اس کے بعد یہ الفاظ ہیں:

فیرد الی مضجعه فیاتیه منکر و نکیر یثیران الارض بانیابهما و یفحصان الارض باشعارهما فیجلسانه ثم یقال له یا هذا من ربک (الحدیث)

پس وہ اپنے خواہ گاہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے پھر منکر اور نکیر اپنے دانتوں سے زمین کو چیرتے ہوئے اور اپنے بالوں سے زمین کو کھودتے ہوئے اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں پھر اس سے پوچھا جاتا ہے کہ اے فلاں تیرا رب کون ہے۔

اس حدیث کو امام احمد اور محمود بن غیلان وغیرہ نے ابوالنصر سے روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ ہیں:

ان الارواح تعاد الی القبور ان الملکین یجلسان المیت ویستنطقانه۔

روحیں قبروں کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور دو فرشتے مردے کو بٹھاتے ہیں اور اسے بلاتے ہیں۔

پھر ابن مندہ نے اس حدیث کو محمد بن سلمہ کے طریق سے اس نے خصیف جزری سے' اس نے مجاہد سے' اس نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے۔ روایت مجاہد میں مومن کی روح کے ذکر کے بعد کافر کی نسبت یہ الفاظ ہیں:

اذا وضع الکافر فی قبره اتاه منکرونکیرفیجلسانه فیقولان له من ربک فیقول لا ادری فیقولان له لادریت فیضربانه ضربه فیصیر رمادا ثم یعاد فیجلس- (الحدیث)

جب کافر قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو منکر اور نکیر اس کے پاس آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا۔ پس وہ اسے کہتے ہیں کہ تو نے نہ جانا اور اسے ایسی مار مارتے ہیں کہ وہ خاکستر ہو جاتا ہے۔ پھر اسے درست کر کے بٹھایا جاتا ہے۔

غرض یہ حدیث ثابت و مشہور و مستفیض ہے۔ اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے اور ائمہ حدیث میں سے کوئی ایسا معلوم نہیں ہوتا جس نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ اس کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے۔ اور عذاب و نعیم قبر' سوال منکر و نکیر' قبض ارواح اور ارواح کے اللہ کے سامنے پہنچنے اور پھر قبر میں واپس آنے کے بارے میں اس کو اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ زاذان کے علاوہ اس حدیث کو عدی بن ثابت اور مجاہد بن جبیر اور محمد بن عقبہ وغیرہم نے براء بن عازب سے روایت کیا ہے اور امام دار قطنی نے ایک علیحدہ رسالے میں اس حدیث کے طریقوں کو جمع کیا ہے۔ زاذان ثقات میں سے ہے جس نے اکابر صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے حدیثیں روایت کی ہیں اور صحیح مسلم کے راویوں میں سے ہے۔

یحیٰی بن معین نے کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ حمید بن ہلال سے جب زاذان کی نسبت پوچھا گیا تو جواب دیا کہ ثقہ ہے ایسے راویوں کی نسبت سوال نہ کرنا چاہیے۔ ابن عدی نے کہا کہ زاذان جب ثقہ سے روایت کرے تو اس کی حدیثیں لاباس بہا ہیں۔ منہال بن عمرو کی نسبت جو ابن حزم نے کہا کہ اس زیادت (فتعاد روحه فی جسده) کو اسی نے روایت کیا ہے اور اسے ضعیف بتایا۔ سو یہ درست نہیں۔ کیونکہ منہال ثقات عدول میں سے ہے۔ چنانچہ ابن معین کا قول ہے کہ منہال ثقہ ہے۔ اور عجلی نے کہا کہ وہ کوفی ثقہ ہے اور بڑی سے بڑی بات جو اس کی نسبت بیان کی گئی ہے' یہ ہے کہ اس کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی۔ مگر یہ امر اس کی روایت میں موجب قدح نہیں اور اس کی حدیث کے ترک کرنے کا باعث نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ابن حزم کی تضعیف لاشے ہے۔ کیونکہ اس نے بجز تفرد کے تضعیف کی کوئی وجہ نہیں بتائی' اور ہم نے بیان کر دیا کہ وہ زیادت مذکورہ کے ساتھ متفرد نہیں ہے۔ بلکہ اس کے علاوہ اوروں نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اور وہ سب کی سب صحیح حدیثیں ہیں جن میں کوئی نقص نہیں۔

ابن حزم کے سوا کسی اور نے یہ جرح کی ہے کہ زاذان نے حضرت براء سے سماع نہیں کیا مگر یہ درست نہیں' کیونکہ ابو عوانہ اسفرائینی نے اسے اپنی صحیح میں بالاسناد روایت کیا ہے اور کہا ہے عن ابی عمر زاذان الکندی قال سمعت البراء بن عازب۔ اور حافظ ابن مندہ نے کہا کہ یہ اسناد متصل مشہور

ہے۔ اسے ایک جماعت نے حضرت براء سے روایت کیا ہے۔ اگر ہم حدیث براء سے قطع نظر بھی کریں' تو باقی احادیث صحیحہ اس میں تصریح کرتی ہیں۔ مثلاً حدیث ابن ابی ذئب عن محمد بن عمرو بن عطاء عن سعید بن یسار عن ابی هریره۔ جس میں روح خبیثہ کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھلنے کے بعد یوں مذکور ہے:

فترسل بین السماء و الارض فتصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبره غیر فزع۔ (الحدیث)

پس وہ آسمان و زمین کے درمیان پھینکی جاتی ہے۔ پس قبر کی طرف آتی ہے۔ پس نیک آدمی اپنی قبر میں بے خوف بیٹھتا ہے۔

حافظ ابو نعیم نے کہا کہ اس حدیث ابی ہریرہ کے ناقلین کی عدالت پر اتفاق ہے۔ چنانچہ امام بخاری و امام مسلم دونوں ابی ابن ذئب اور محمد بن عمرو بن قطاء اور سعید بن یسار پر متفق ہیں اور یہ ان دونوں کی شرط پر ہیں' اور اس حدیث ابی ہریرہ کو بڑے بڑے متقدمین (مثلاً ابن ابی فدیک اور عبدالرحیم بن ابراہیم) نے ابن ابی ذئب سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن مندہ نے اعادۂ روح کے ثبوت میں ایک اور حدیث باسناد متصل (ثنا محمد بن الحسین بن الحسن ثنا محمد بن یزید النیسابوری ثنا حماد بن قیراط ثنا محمد بن الفضل عن یزید بن عبدالرحمن الصائغ البلخی عن الضحاک بن مزاحم عن ابن عباس) نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

فیدخلون ذلک الروح بین جسده واکفانه۔

پس فرشتے اس روح کو اس کے بدن اور کفن کے درمیان داخل کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ نے کہا کہ احادیث صحیحہ متواترہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ منکر و نکیر کے سوال کے وقت روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اور روح کے بغیر بدن

سے سوال ایک گروہ کا قول ہے، جس کو جمہور تسلیم نہیں کرتے۔ اس گروہ کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ سوال تو روح سے ہوتا ہے نہ کہ بدن سے۔ ابن مرہ و ابن حزم وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ مگر یہ دونوں گروہ غلطی پر ہیں اور احادیث صحیحہ ان کی تردید کر رہی ہیں، اور اگر سوال فقط روح سے ہوتا تو قبر کو روح سے کوئی اختصاص نہ ہوتا۔ (کتاب الروح، صفحہ ۷۷ تا ۸۰)

حدیث زیر بحث کی نسبت شیخ الاسلام تقی الدین سبکی لکھتے ہیں کہ اس کو ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اپنی مسندوں میں روایت کیا ہے جن میں امام احمد اور عبد بن حمید اور علی بن معبد (کتاب الطاعہ والمعصیہ میں) وغیرہ ہیں اور ان سب کے اسناد کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن حزم نے اس حدیث میں منہال بن عمرو کے سبب کلام کیا ہے اور یہ کلام بے سود ہے۔ کیونکہ منہال بن عمرو صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہے اور کئی ائمہ نے اسے ثقہ کہا ہے جن میں سے یحییٰ بن معین ہیں، اور اس میں کلام اس جہت سے ہے کہ امام شعبہ نے اسے ترک کر دیا ہے، اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے کہا کہ شعبہ کے ترک کی وجہ یہ ہے کہ شعبہ نے اس کے گھر سے راگ کے ساتھ قراءت کی آواز سنی۔ جب یہ سبب معلوم ہوگیا تو شعبہ کا اس کو ترک کرنا مضر نہیں۔ کیونکہ عالموں کی ایک جماعت اس کی اباحت کی قائل ہے۔ اور اس قسم کی جس چیز میں اختلاف ہو، اس سے روایت و شہادت رد نہیں ہو سکتی۔ بالخصوص جبکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ آواز منہال کی تھی۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے گھر میں کسی اور کی آواز ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو۔

حاصل کلام یہ کہ اس قدح کی کوئی وجہ نہیں اور منہال بن عمرو کے ثقہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ ان راویوں میں سے ہیں جن کی حدیث سے احتجاج ہو سکتا ہے۔ اور منہال بن عمرو کے سبب اعادۂ روح کے انکار و تضعیف کے کوئی معنی نہیں جبکہ باقی احادیث متفق علیہا سماع و کلام اور قعود وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں جو مستلزم

حیات و عود روح ہیں۔ امام بغوی نے شرح السنہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مردہ جوتیوں کی آواز سنتا ہے جس وقت لوگ دفن کر کے اس سے پیٹھ پھیرتے ہیں، پھر وہ بٹھایا جاتا ہے۔ اور اس کا کفن اس کی گردن میں ڈالا جاتا ہے۔ پھر سوال کیا جاتا ہے، اور قبروں میں حیات کے ثبوت پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ جوینی (متوفی ۴۷۸ھ) نے "شامل فی اصول الدین" میں کہا کہ سلف امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قبر کا عذاب اور قبروں میں مردوں کا زندہ کیا جانا اور جسموں میں روحوں کا پھر ڈالا جانا ثابت ہے۔

(شفاء السقام، باب تاسع، فصل ثالث)

منکرین کے اعتراضات

عذاب و نعیم قبر کے منکرین کہتے ہیں کہ مومن کے لیے قبر کا ستر(۷۰) گز لمبا اور ستر(۷۰) گز چوڑا ہو جانا اور کافر کے لیے اتنا تنگ ہو جانا کہ اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں، خلاف مشاہدہ ہے۔ اگر قبر کو کھود کر دیکھا جائے تو مردہ پر عذاب کا کوئی نشان دیکھنے میں نہیں آتا۔ اور قبر اتنی ہی لمبی چوڑی نظر آتی ہے جس قدر کہ پہلے کھودی گئی تھی اور فرشتوں کے زمین چیر کر آنے کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا۔ میت کا تنگ لحد میں سوال کے لیے بٹھایا جانا بھی غیر معقول ہے۔ اگر دفن کرتے وقت ہم میت کے سینے پر پارہ یا رائی کا دانہ رکھ دیں تو دوبارہ کھودنے پر بدستور اسی طرح پاتے ہیں۔ اگر ہم میت کو کئی دن اپنے سامنے رکھ چھوڑیں تو ہم فرشتوں اور میت کا کوئی سوال و جواب نہیں سنتے۔ یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ چارپائے تو عذاب قبر کو سن لیں اور انسان و جن نہ سنیں۔ بھلا جو شخص جل کر راکھ ہو جائے، یا ڈوب کر مر جائے یا جسے درندہ کھا جائے، اسے عذاب قبر کیونکر ہو سکتا ہے۔

جواب

ہم ذیل میں "کتاب الروح" سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں جن سے

اعتراضات بالا کا جواب معلوم ہو جائے گا۔

ان الله سبحانه جعل الدور ثلاثا دار الدنيا و دار
البرزخ و دار القرار و جعل لكل دار احكاما تختص
بها و ركب هذا الانسان من بدن و نفس و جعل
احكام دار الدنيا على الابدان و الارواح تبعا لها و
لهذا جعل احكامه الشرعيه مرتبه على ما يظهر
من حركات اللسان و الجوارح وان اضمرت النفوس
خلافه و جعل احكام البرزخ على الارواح و الابدان
تبعا لها فكما تبعت الارواح الابدان فى احكام
الدنيا فتالمت بالمها و التذت براحتها و كانت
هى التى باشرت اسباب النعيم و العذاب تبعت
الابدان الارواح فى نعيمها و عذابها و الارواح حينئذ
هى التى تباشر العذاب و النعيم فالابدان هنا ظاهره
و الارواح خفيه و الابدان كالقبور لها و الارواح هناك
ظاهره و الابدان خفيه فى قبورها تجرى احكام
البرزخ على الارواح فتسرى الى ابدانها نعيما او
عذابا كما تجرى احكام الدنيا على الابدان
فتسرى الى ارواحها نعيما او عذابا فاحط بهذا
الموضع علما و اعرفه كما ينبغى يزيل عنك كل
اشكال لو يرد عليك من داخل و خارج و قد ارانا الله
سبحانه بلطفه و رحمته و هدايته من ذلك
انموذجا فى الدنيا من حال النائم فان ما ينعم به

او يعذب فى نومه يجرى على روحه اصلا و البدن تبع
له و قد يقوى حتى يوثر فى البدن تاثيرا مشاهدا
فيرى النائم فى نومه انه ضرب فيصبح و اثر الضرب
فى جسمه و يرى انه قد اكل او شرب فيستيقظ و هو
يجد اثر الطعام و الشراب فى فيه و يذهب عنه
الجوع و الظما و اعجب من ذلك انك ترى النائم
يقوم فى نومه و يضرب و يبطش و يدافع كانه يقظان
و هو نائم لا شعور له بشىء من ذلك و ذلك ان
الحكم لما جرى على الروح استعانت بالبدن من
خارجه و لو دخلت فيه لاستيقظ و احس فاذا كانت
الروح تتالم و تنعم و يصل ذلك الى بدنها بطريق
الاستتباع فكهذا فى البرزخ بل اعظم فان تجرد
الروح هناك اكمل و اقوى و هى متعلقه ببدنها لم
تنقطع عنه كل الانقطاع فاذا كان يوم حشر
الاجساد و قيام الناس من قبورهم صار الحكم و
النعيم و العذاب على الارواح و الاجساد ظاهرا باديا
اصلا و متى اعطيت هذا الموضع حقه تبين لك ان
ما اخبر به الرسول من عذاب القبر و نعيمه و ضيقه و
سعته و ضمه و كونه حفره من حفر النار او روضه من
رياض الجنه مطابق للعقل و انه حق لا مريه فيه و ان
من اشكل عليه ذلك فمن سوء فهمه و قله علمه
كما قيل:

و كم من عائب قولا صحيحا
و افته من الفهم السقيم

واعجب من ذلک انک تجد النائمين فی فراش واحد وهذا روحه فی النعيم ويستيقظ واثر النعيم علی بدنه وهذا روحه فی العذاب ويستيقظ واثر العذاب علی بدنه وليس عند احدهما خبر بما عند الاخر فامر البرزخ اعجب من ذلک۔

(کتاب الروح ص ۱۰۱-۱۰۳)

فاذا وضع فی لحده و سوی عليه التراب لم يحجب التراب الملائکه عن الوصول اليه بل لو نقر له حجر فاودع فيه و ختم عليه بالرصاص لم يمنع وصول الملائکه اليه فان هذه الاجسام الکثيفه لا تمنع خرق الارواح لها بل الجن لا يمنعها ذلک بل قد جعل الله سبحانه الحجاره و التراب للملائکه بمنزله الهواء للطير والسباع۔ القبر وانفساخه للروح بالذات والبدن تبعا فيکون البدن فی لحد اضيق من ذراع وقد فسح له مد بصره تبعا لروحه۔ واما عصره القبر حتی تختلف بعض اجزاء الموتی فلا يرده حس ولا عقل ولا فطره ولو قدر ان احدا نبش عن ميت فوجد اضلاعه کما هی لم تختلف لم يمنع ان تکون قد عادت الی حالها بعد العصره فليس مع الزنادقه و الملاحده الا مجرد

تکذيب الرسول۔(کتاب الروح ص ۱۰۴-۱۰۵)

ان النار التی فی القبر والخضره ليست من نار الدنيا ولا من زروع الدنيا فيشاهده من شاهد نار الدنيا وخضرها وانما هی من نار الاخره وخضرها و هی اشد من نار الدنيا فلا يحس به اهل الدنيا فان الله سبحانه يحمی عليه ذلک التراب والحجاره التی عليه و تحته حتی يکون اعظم حرا من جمر الدنيا ولو مسها اهل الدنيا لم يحسوا بذلک بل اعجب من هذا ان الرجلين يدفنان احدهما الی جنب الاخر و هذا فی حفره من حفر النار لا يصل حرها الی جاره وذلک فی روضه من رياض الجنه لا يصل روحها ونعيمها الی جاره وقدره الرب تعالی اوسع و اعجب من ذلک و قد ارانا الله من ايات قدرته فی هذه الدار ما هو اعجب من ذلک بکثير و لکن النفوس مولعه بالتکذيب بما لم تحط به علما الا من وفقه الله و عصمه۔ فيفرش للکافر لوحان من نار فيشتعل عليه قبره بهما کما يشتعل التنور فاذا شاء الله سبحانه ان يطلع علی ذلک بعض عبيده اطلعه و غيبه عن غيره اذ لو اطلع العباد کلهم لزالت کلمه التکليف و الايمان بالغيب و لما تدا فن الناس کما فی الصحيحين عنه صلی الله عليه وسلم لولا ان لا

تدافنوا لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر
ما اسمع ولما کانت هذه الحکمه منفیه فی حق
البهائم سمعت ذلک و ادرکته کما حادت
برسول الله صلی الله علیه وسلم بغلته و کادت
تلقیه لما مربمن یعذب فی قبره-

(کتاب الروح ص ۱۰۵-۱۰۶)

ان الله سبحانه و تعالی یحدث فی هذه الدار
ماهوا عجب من ذلک فهذا جبریل کان نزل علی
النبی صلی الله علیه وسلم و یتمثل له رجلا
فیکلمه بکلام یسمعه و من الی جانب النبی
صلی الله علیه وسلم لا یراه ولا یسمعه و کذلک
غیره من الانبیاء و احیانا یاتیه الوحی فی مثل
صلصله الجرس ولا یسمعه غیره من الحاضرین و
هولاء الجن یتحدثون و یتکلمون بالاصوات
المرتفعه بیننا و نحن لا نسمعهم و قد کانت
الملائکه تضرب الکفار بالسیاط و تضرب
رقابهم وتصیح بهم والمسلمون معهم لایرونهم
و لا یسمعون کلامهم والله سبحانه قد حجب
بنی ادم عن کثیر مما یحدثه فی الارض وهوبینهم
و قد کان جبریل یقری النبی صلی الله علیه
وسلم و یدارسه القران و الحاضرون لا یسمعونه و
کیف یستنکر من یعرف الله سبحانه و یقر

بقدرته ان یحدث حوادث یصرف عنها ابصار
بعض خلقه حکمه منه و رحمه بهم لانهم لا
یطیقون رویتها وسماعها والعبد اضعف بصرا
وسمعا من ان یثبت لمشاهده عذاب القبروکثیر
ممن اشهده الله ذلک صعق و غشی علیه و لم
ینتفع بالعیش زمنا و بعضهم کشف قناع قلبه
فمات فکیف ینکر فی الحکمه الالهیه اسبال
غطاء یحول بین المکلفین وبین مشاهده ذلک
حتی اذا کشف الغطاء راوه و شاهدوه عیانا ثم ان
العبد قاصر علی ان یزیل الزیبق والخردل عن عین
المیت و صدره ثم یرده بسرعه فکیف یعجز عنه
الملک و کیف لا یقدر علیه من هو علی کل شیء
قدیر و کیف تعجز قدرته عن ابقائه فی عینیه و
علی صدره لا یسقط عنه.و هل قیاس امر البرزخ
علی ما یشاهده الناس فی الدنیا الا محض
الجهل و الضلال و تکذیب اصدق الصادقین و
تعجیزرب العلمین وذلک غایه الجهل والظلم و
اذا کان احدنا یمکنه توسعه القبر عشره اذرع و
مائه ذراع و اکثر طولا و عرضا و عمقا و یستر
توسیعه عن الناس و یطلع علیه من یشاء فکیف
یعجز رب العالمین ان یوسعه مایشاء و یستر
ذلک عن اعین بن ادم فیراه بنوادم ضیقا وهواوسع

شی ء واطیبه ریحا واعظمه اضاءه ونورا وهم لا یرون
ذلک و سر المسئله ان هذه التوسعه والضیق و
الخضره و النار لیس من جنس المعهود فی هذا
العالم والله سبحانه انما اشهد بنی آدم فی هذه
الدار ما کان فیها و منها فاما ما کان من امر الاخره
فقد اسبل علیه الغطاء لیکون الاقرار به و الایمان
سببا لسعادتهم فاذا کشف عنهم الغطاء صار
عیانا مشاهدا فلو کان المیت بین الناس
موضوعا لم یمتنع ان یاتیه الملکان ویسالانه من
غیر ان یشعر الحاضرون بذلک و یجیبهما من
غیر ان یسمعوا کلامه و یضر بانه من غیر ان
یشاهد الحاضرون ضربه وهذا الواحد منا ینام الی
جنب صاحبه فیعذب فی النوم ویضرب و یالم و
لیس عنه المستیقظ خبر من ذلک البته وقد سره
اثر الضرب و الالم الی جسده ومن اعظم الجهل
استبعاد شق الملک الارض والحجر وقد جعلهما
الله سبحانه له کالهواء للطیر ولا یلزم من
حجبهما للاجسام الکثیفه ان تتولج فیها
حجبهما للارواح اللطیفه وهل هذا الا من افسد
القیاس وبهذا وامثاله کذبت الرسل صلوات الله
وسلامه علیهم- (کتاب الروح ص ۱۱۳-۱۱۵)

انه غیر ممتنع ان تردا لارواح الی المصلوب و

الغریق والمحرق ونحن لا نشعربها لان ذلک الرد
نوع آخر غیر المعهود فهذا المغمی علیه و
المسکوت والمبهوت احیاء وارواحهم معهم ولا
نشعر بحیاتهم ومن تفرقت اجزاءه لا یمتنع علی
من هو علی کل شی ء قدیر ان یجعل للروح اتصالا
بتلک الاجزاء علی تباعد ما بینها وقربه ویکون فی
تلک الاجزاء شعور بنوع من الالم واللذه واذا کان
الله سبحانه وتعالی قد جعل فی الجمادات شعورا
و ادراکا تسبح ربها به و تسقط الحجاره من
خشیته و تسجد له الجبال و الشجر و تسبحه
الحصی والمیاه والبنات قال تعالی وان من شی ء الا
یسبح بحمده ولکن لا تفقهون تسبیحهم-

و لوکان التسبیح هو مجرد دلالتها علی
صانعها لم یقل ولکن لا تفقهون تسبیحهم فان
کل عاقل یفقه دلالتها علی صانعها وقال تعالی
انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق-
والدلاله علی الصانع لا تختص بهذین الوقتین-
وکذلک قوله تعالی یا جبال اوبی معه- والدلاله لا
تختص معیته وحده و کذب علی الله من قال
الترویب رجع الصدی فان هذا یکون لکل مصوت و
قال تعالی الم تران الله یسجد له من فی السموات
ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال و

الشجر و الدواب و کثیر من الناس- والدلاله علی
الصانع لا تختص بکثیر من الناس وقال تعالی الم
تران الله یسبح له من فی السموات والارض والطیر
صافات کل قد علم صلاته وتسبیحه- فهذه صلوه
و تسبیح حقیقه یعلمها الله و ان جحدها
الجاهلون المکذبون و قد اخبر تعالی عن
الحجاره ان بعضها یزول من مکانه و یسقط من
خشیته وقد اخبر عن الارض والسماء انهما یاذنان
له ای یستمعان کلامه و انه خاطبهما فسمعا
خطابه و احسنا جوابه فقال لهما ائتیا طوعا
او کرها قالتا اتینا طائعین- وقد کان الصحابه
یسمعون تسبیح الطعام و هو یوکل و سمعوا
حنین الجذع الیابس فی المسجد فاذا کانت هذه
الاجسام فیها الاحساس و الشعور فالاجسام التی
کانت فیها الروح والحیاه اولی بذلک وقد اشهد
الله سبحانه عباده فی هذه الدار اعاده حیاه کامله
الی بدن قد فارقته الروح فتکلم ومشی واکل وشرب
و تزوج و ولد له کالذین خرجوا من دیارهم و هم
الوف حذر الموت فقال لهم الله موتوا ثم احیاهم-
او کالذی مر علی قریه وهی خاویه علی عروشها قال
انی یحیی هذه الله بعد موتها فاماته الله مائه عام
ثم بعثه قال کم لبثت قال لبثت یوما او بعض یوم-

و کقتیل بنی اسرائیل او کالذین قالوا لموسی
لن نومن لک حتی نری الله جهره فاماتهم الله ثم
بعثهم من بعد موتهم و کاصحاب الکهف
وکقصه ابراهیم فی الطیور الاربعه فاذا اعاد
الحیاه التامه الی هذه الاجساد بعد ما بردت
بالموت فکیف یمتنع علی قدرته الباهره ان
یعید الیها بعد موتها حیاه ماغیر مستقره
یقتضی بها ما امرها فیها و یستنطقها بها و
یعذبها او ینعمها باعمالها و هل انکار ذلک الا
مجرد تکذیب وعناد وجحود وبالله التوفیق-

(کتاب الروح ص ۱۱۵-۱۱۷)

اللہ تعالیٰ نے تین دار (گھر) بنائے ہیں۔ دار الدنیا، دارالبرزخ، دارالقرار، اور ہر ایک دار کے لیے ایسے احکام بنائے ہیں جو اسی سے مختص ہیں۔ انسان کو اس نے بدن و روح سے مرکب بنایا اور دارالدنیا کے احکام بدنوں پر جاری کیے اور روحوں کو ان کے تابع بنایا۔ لہٰذا احکام شرع ظاہر حرکات لسان و جوارح پر مرتب کیے خواہ نفوس میں ان کے خلاف مضمر ہو، اور احکام برزخ روحوں پر جاری کیے اور بدنوں کو ان کے تابع بنایا۔ جس طرح احکام دنیا میں روحیں بدنوں کے تابع ہیں۔ پس بدنوں کے الم سے ان کو الم اور بدنوں کی راحت سے ان کو راحت حاصل ہوتی ہے۔ اور بدن ہی اسباب نعیم و عذاب کے مباشر ہیں۔ اسی طرح برزخ کے نعیم و عذاب میں بدن روحوں کے تابع ہیں۔ اور روحیں مباشر عذاب و نعیم ہیں۔ پس دنیا میں بدن ظاہر اور روحیں پوشیدہ ہیں اور بدن ان کے لیے

قبروں کی مانند ہیں۔ مگر برزخ میں روحیں ظاہر اور بدن قبروں میں پوشیدہ ہیں۔ احکام برزخ روحوں پر جاری ہوتے ہیں اور عذاب و نعیم ان کی وساطت سے بدنوں کی طرف سرایت کرتا ہے۔ جیسا کہ دنیا کے احکام بدنوں پر جاری ہوتے ہیں اور عذاب و نعیم روحوں کی طرف سرایت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و رحمت اور ہدایت سے دنیا میں ہمیں اس کا ایک نمونہ دکھا دیا ہے۔ وہ کیا؟ سونے والے کا حال۔ کیونکہ خواب میں انسان کو جو نعیم یا عذاب حاصل ہوتا ہے' وہ اصل میں روح پر جاری ہوتا ہے۔ اور بدن اس کے تابع ہوتا ہے اور بعض دفعہ وہ ایسا قوی ہوتا ہے کہ اس کی تاثیر بدن پر مشاہدے میں آتی ہے۔ مثلاً سونے والا خواب میں دیکھتا ہے کہ اسے مار پڑی ہے۔ وہ صبح کو اٹھتا ہے اور ضرب کا اثر اس کے جسم پر عیاں ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ خواب میں کھاتا ہے یا پیتا ہے پھر جاگ اٹھتا ہے اور کھانے پینے کا اثر اپنے منہ میں پاتا ہے۔ اور اس سے بھوک اور پیاس دور ہو جاتی ہے۔

اس سے عجیب یہ ہے کہ بعض دفعہ سونے والا اپنی نیند میں اٹھتا ہے' کسی کو مارتا ہے' کسی کو پکڑتا ہے' اور کسی کو ہٹاتا ہے گویا کہ وہ جاگنے والا ہے۔ حالانکہ وہ سونے والا ہوتا ہے۔ اسے مار وغیرہ میں سے کسی کا شعور نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم چونکہ روح پر جاری ہے' اس لیے روح نے خارج سے بدن سے مدد لی۔ اگر وہ بدن میں داخل ہو جاتی تو وہ جاگ اٹھتا اور ان امور کا احساس کرتا۔ پس جس طرح سونے والے کی روح تکلیف یا راحت پاتی ہے' اور وہ بالتبع بدن کو پہنچتی ہے' اسی طرح برزخ میں ہوتا ہے۔ بلکہ برزخ میں اس سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ کیونکہ

برزخ میں روح کا تجرد زیادہ کامل اور زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور بدن سے بھی اس کا تعلق ہوتا ہے۔ کیونکہ بدن سے اس کا تعلق بالکل منقطع نہیں ہوتا۔ جب حشر اجساد کا دن ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھیں گے' تو حکم اور عذاب و نعیم روحوں اور بدنوں پر ظاہر اور بالاصالت ہوں گے۔ اگر اس بات کو کماحقہ سمجھ لیا جائے تو ظاہر ہو جائے گا کہ قبر کا عذاب یا نعیم اور اس کا کشادہ یا تنگ ہونا اور اس کا میت کو دبانا اور اس کا آگ کا گڑھا یا بہشت کا باغ ہونا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے' بالکل عقل کے مطابق اور حق ہے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں۔ جس کو اس کا تسلیم کرنا مشکل نظر آئے' اس کی وجہ اس کی سمجھ کا فتور اور علم کی کمی ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

ہیں کتنے صحیح کو غلط کہنے والے
سمجھ کے ہیں ناقص وہ خود ہی بچارے

اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ دو شخص ایک بستر پر سو رہے ہیں۔ ایک کی روح راحت میں ہوتی ہے۔ وہ جاگ اٹھتا ہے۔ تو راحت کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے' اور دوسرے کی روح عذاب میں ہوتی ہے۔ وہ جاگ اٹھتا ہے تو عذاب کا اثر اس کے بدن پر ہوتا ہے۔ مگر ایک کو دوسرے کے حال سے بالکل خبر نہیں ہوتی۔ برزخ کا حال اس سے عجیب ہے۔ (کتاب الروح لابن القیم ص۱۰۱-۱۰۳)

جب مردہ لحد میں رکھا جاتا ہے اور اس پر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو مٹی فرشتوں کو اس کے پاس آنے سے نہیں روک سکتی۔ بلکہ اگر پتھر کو کھود کر اس میں مردے کو رکھ دیا جائے اور رانگ سے بند کر دیا جائے تو پھر بھی فرشتے اس کے پاس آنے سے نہیں رک سکتے۔ کیونکہ یہ اجسام

کثیفہ روحوں کے گزرنے کو نہیں روک سکتے۔ بلکہ جنوں کو نہیں روک سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے پتھر اور مٹی کو فرشتوں کے لیے ایسا بنایا ہے جیسا کہ ہوا پرندوں کے لیے ہے' اور قبر کا فراخ و کشادہ ہونا روح کے لیے بالذات ہے اور بدن کے لیے بالتبع ہے۔ لہٰذا بدن ایک ہاتھ سے تنگ لحد میں ہوتا ہے۔ حالانکہ روح کی تبعیت سے اس کے لیے قبر حد نگاہ تک کشادہ ہوتی ہے۔ رہا قبر کا دبانا یہاں تک کہ مردوں کے بعض اجزاء شکستہ ہو جائیں' سو یہ حس و عقل و فطرت کے خلاف نہیں۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی نے ایک مردے کی قبر کھودی اور اس کی پسلیوں کو بدستور پایا تو یہ اس امر کا مانع نہیں کہ دبانے کے بعد اس کی پسلیاں پہلی حالت پر آ گئی ہوں۔ لہٰذا بے دینوں اور ملحدوں کے پاس تکذیب رسول اللہ ﷺ کی کوئی دلیل نہیں۔ (کتاب الروح ص ۱۰۴-۱۰۵)

قبر کی آگ اور ہریالی دنیا کی آگ اور ہریالی نہیں کہ اسے وہ لوگ دیکھ لیں جو دنیا کی آگ اور دنیا کی کھیتیوں کی سبزی کو دیکھ لیتے ہیں۔ بلکہ وہ تو آخرت کی آگ اور ہریالی ہے اور وہ آگ دنیا کی آگ سے تیز ہے۔ اس لیے اہل دنیا اسے محسوس نہیں کرتے۔ اسی آگ سے اللہ تعالیٰ اس مٹی اور پتھر کو جو مردے کے نیچے اور اوپر ہوتی ہے اس کے لیے گرم کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی حرارت دنیا کی چنگاری سے تیز ہو جاتی ہے مگر اہل دنیا اگر اسے مس کریں تو محسوس نہ کریں۔ بلکہ اس سے بھی عجیب یہ ہے کہ دو شخص جو پہلو بہ پہلو دفن کیے جاتے ہیں' ان میں سے ایک تو آگ کے گڑھے میں ہوتا ہے جس کی حرارت دوسرے کو نہیں پہنچتی اور دوسرا ایک باغ بہشت میں ہوتا ہے جس کی آسائش و راحت اس کے ہمسائے کو نہیں پہنچتی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اس سے بھی وسیع و عجیب ہے۔ اس نے اس دنیا میں ہم کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے وہ دکھائی ہیں جو اس سے بہت بڑھ کر عجیب ہیں مگر ان لوگوں کے سوا جنہیں خدا نے توفیق و عصمت عطا فرمائی ہے طبیعتیں اس امر کی تکذیب پر فریفتہ ہیں جو ان کے علم میں نہ ہو۔ کافر کے لیے آگ کی دو تختیاں بچھائی جاتی ہیں جن سے اس کی قبر اس پر تنور کی طرح شعلہ زن ہوتی ہے۔ اللہ جب چاہتا ہے تو اپنے بندوں میں سے بعض کو اس پر مطلع کر دیتا ہے۔ اور دوسروں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر سب کو اس پر آگاہ کر دے تو کلمہء تکلیف اور ایمان بالغیب جاتا رہے۔ اور لوگ دفن نہ کیا کریں۔ جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "اگر(۱) یہ بات نہ ہوتی کہ تم دفن نہ کیا کرو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر سے وہ سنا دے جو میں سنتا ہوں" چونکہ بہائم کے حق میں یہ حکمت نہیں پائی جاتی اس لیے وہ اس عذاب کو سنتے اور محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ ایک شخص سے گزرے جسے قبر میں عذاب ہو رہا تھا تو آپ کی خچر آپ کو لے کر بھاگی اور قریب تھا کہ آپ کو گرا دے۔

(کتاب الروح ص ۱۰۵-۱۰۶)

(۱) یہ حدیث صحیح مسلم میں یوں ہے: عن زید بن ثابت قال بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلہ لہ و نحن معہ اذحادت بہ فکادت تلقیہ و اذا اقبر ستہ او خمسہ او اربعہ فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر فقال رجل انا قال فمتی مات ھولاء قال ماتوا فی الاشراک فقال ان ھذہ الامہ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا تدافنوا لدعوت اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع۔
(صحیح مسلم' باب عرض مقعد المیت من الجنۃ والنار علیہ واثبات عذاب القبر)

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ایسے امور پیدا کرتا ہے جو عالم برزخ سے بھی
عجیب ہیں۔ دیکھئے حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کی
خدمت بابرکت میں ایک انسان کی شکل میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور
آپ سے کلام کیا کرتے تھے جسے آپ سن لیتے تھے مگر آپ کے پاس بیٹھنے
والے نہ اسے دیکھتے اور نہ اس کا کلام سنتے۔ یہی حال دیگر انبیائے کرام
علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کا تھا۔ وحی کبھی حضور اقدس ﷺ پر گھنٹی
کی سی آواز میں نازل ہوتی مگر آپ کے سوا حاضرین میں سے کوئی نہ
سنتا۔ اسی طرح جن ہمارے درمیان اونچی آواز سے باتیں کرتے ہیں۔ نہ
ہم ان کو دیکھتے ہیں اور نہ ان کی باتیں سنتے ہیں۔ غزوات میں فرشتے کفار
کو کوڑوں سے مارتے۔ ان کی گردنیں کاٹتے اور ان پر نعرے مارتے
تھے۔ مگر صحابہ کرام باوجود ساتھ ہونے کے نہ ان کو دیکھتے اور نہ ان کا
کلام سنتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسے بہت سے امور سے محجوب کر دیا
ہے جو وہ دنیا میں پیدا کرتا ہے اور جو ان کے درمیان ہیں۔ حضرت جبرئیل
علیہ السلام حضور اقدس ﷺ کو قرآن پڑھا اور سنا جاتے مگر حاضرین نہ
سنتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے اور اس کی قدرت کو پہچانتا ہے' وہ
انکار نہیں کر سکتا کہ خدا ایسے حوادث پیدا کرتا ہے جو اپنی بعض خلقت کی
نظر سے بنا بر حکمت و رحمت پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ وہ ان کے دیکھنے اور
سننے کی طاقت نہیں رکھتے۔ انسان کی بصر و سمع ایسی قوی نہیں کہ عذاب قبر
کے مشاہدے کے آگے ثابت رہ سکے۔ کتنے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے
اس کا مشاہدہ کرا دیا مگر وہ بیہوش ہو گئے۔ اور زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے۔
اور بعض کا تو دل کا پردہ پھٹ گیا اور مر گئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو مکلفین
اور مشاہدۂ عذاب قبر کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا ہے' حتیٰ کہ اگر وہ

دور کر دیا جائے تو آنکھ سے دیکھ لیں۔ اس میں حکمت الٰہی سے کون انکار
کر سکتا ہے۔ دیگر آنکہ جب بندہ اس بات پر قادر ہے کہ پارے یا رائی
کے دانے کو میت کی آنکھ یا سینے سے اٹھا لے اور پھر جلدی سے وہیں رکھ
دے تو فرشتہ ایسا کیوں نہیں کر سکتا اور وہ قادر مطلق خدا کس لیے اس پر
قادر نہیں اور اس کی قدرت کس لیے اس سے عاجز ہے کہ پارے یا رائی
کے دانے کو اس کی آنکھ میں یا سینے پر رہنے دے اور گرنے نہ دے۔
برزخ کو دنیا پر قیاس کرنا محض جہالت اور گمراہی ہے۔ اور اس اصدق
الصادقین ﷺ کو جھٹلانا اور رب العالمین کو عاجز جاننا پرلے درجے کی
نادانی اور ظلم ہے۔

جب بندے کے لیے ممکن ہے کہ قبر کو طول و عرض و عمق میں دس
گز یا سو گز یا زیادہ کشادہ کر دے اور اسے لوگوں سے پوشیدہ رکھے اور
جسے چاہے بتا دے تو رب العالمین اس سے کیونکر عاجز ہو سکتا ہے کہ قبر کو
جس کے لیے جتنا چاہے کشادہ کر دے۔ اور اُسے بنی آدم کی نظروں سے
پوشیدہ رکھے کہ انہیں تنگ دکھائی دیتی ہو۔ حالانکہ وہ نہایت ہی کشادہ
اور خوشبودار اور نورانی ہو اور وہ ان امور میں سے کچھ بھی نہ دیکھیں۔
اس مسئلے میں راز یہ ہے کہ یہ کشادگی و تنگی اور نورانیت و ناریت وہ
نہیں جو ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں۔ اللہ پاک نے بنی آدم کو دنیا میں وہی
دکھایا ہے جو اس میں ہے اور اسی سے ہے۔ مگر جو امر آخرت ہے اس پر
پردہ ڈال دیا ہے تاکہ اس پر ایمان لانا ان کی سعادت کا باعث ہو۔ جب وہ
پردہ اٹھا دیا جائے گا تو پھر عیان و محسوس ہو جائے گا۔ اگر مردہ لوگوں کے
درمیان رکھا جائے تو یہ محال نہیں کہ دو فرشتے آکر اس سے سوال کریں
اور حاضرین کو معلوم نہ ہو۔ اور میت ان کو جواب دے اور حاضرین نہ

سنیں۔ اور وہ میت کو ماریں اور حاضرین کو ان کی ضرب نظر نہ آئے۔ دیکھئے ہم میں سے ایک شخص اپنے ساتھی کے پہلو میں سو رہا ہے اور خواب میں ضرب والم سہتا ہے جس کا اثر اس کے بدن تک پہنچتا ہے مگر جاگنے والے کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ فرشتے جو زمین اور پتھر کو چیر کر قبر میں آجاتے ہیں اسے بعید سمجھنا بڑی جہالت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور پتھر فرشتوں کے لیے ایسے بنائے ہیں جیسا کہ ہوا پرندوں کے لیے ہے۔ زمین اور پتھر اگر اجسام کثیفہ کو اپنے اندر داخل ہونے سے روکتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ارواح لطیفہ کو بھی داخل ہونے سے روکتے ہیں۔ یہ نہایت ہی فاسد قیاس ہے۔ ایسے ہی قیاسات سے منکرین اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب کرتے ہیں۔

(کتاب الروح ص ۱۱۳-۱۱۵)

یہ امر محال نہیں کہ مصلوب و غریق و حریق کی طرف روحیں لوٹائی جائیں اور ہمیں ان کا علم نہ ہو۔ کیونکہ یہ غیر معہود اعادہ ایک اور ہی طرح کا ہوتا ہے۔ دیکھئے جو اشخاص بیہوش ہوں یا سکتہ کی حالت میں ہوں، ان کی روحیں ان کے بدنوں میں ہوتی ہیں مگر ہم کو زندہ معلوم نہیں ہوتے۔ جس مردے کے اجزاء پراگندہ ہوگئے ہوں قادر مطلق خدا کے لیے محال نہیں کہ روح کو ان اجزاء سے باوجود تباعد و قرب کے اتصال بخشے۔ اور ان اجزاء میں ایک طرح کے الم و لذت کا شعور پیدا ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے جمادات کو شعور و ادراک عطا کیا ہے کہ جس سے وہ اپنے رب کی پاکی بولتے ہیں اور پتھر اس کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور پہاڑ اور درخت اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور کنکریاں اور پانی اور نباتات سب اس کی پاکی بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ -(بنی اسرائیل:۴۴)

اور کوئی چیز نہیں جو نہیں بولتی خوبیاں اس کی، لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا بولنا۔

اگر تسبیح سے صرف یہی مراد ہوتی کہ سب چیزیں اپنے صانع پر دلالت کرتی ہیں تو خدا یوں نہ فرماتا "لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے" کیونکہ ہر عاقل صانع پر ان کی دلالت کو سمجھتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ -(ص:۱۸)

ہم نے تابع کیے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے شام کو اور صبح کو۔

اور صانع پر دلالت ان دو وقتوں سے خاص نہیں ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

يَا جِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ (سبا: ع ۲)

اے پہاڑو رجوع سے پڑھو اس کے ساتھ۔

اور دلالت صرف حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کی معیت سے خاص نہیں۔ اور جس نے کہا کہ تاویب کے معنے آواز کا لوٹنا (گونج) ہے وہ اللہ پر جھوٹ بولا۔ کیونکہ پہاڑوں میں ہر بولنے والے کی آواز سے گونج پیدا ہو جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں جو کوئی آسمان میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے اور سورج

اَلْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۔(حج: ۱۸)	اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت آدمی۔

اور صانع پر دلالت بہت آدمیوں سے خاص نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۔ (نور: ۴۱)	کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے۔ ہر ایک نے جان رکھی اپنی طرح کی بندگی اور یاد۔

یہ صلوۃ اور تسبیح حقیقی ہے جسے اللہ جانتا ہے۔ اگرچہ جھٹلانے والے جاہل لوگ اس سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کی نسبت خبر دی ہے کہ بعضے پتھر اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں اور اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

اور اس نے زمین و آسمان کی نسبت خبر دی ہے کہ وہ اس کا کلام سنتے ہیں۔ جب خدا نے ان دونوں سے خطاب کیا تو انہوں نے اس خطاب کو سنا اور اس کا جواب اچھا دیا

فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ۔(حم سجدہ: ۱۱)	پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ دونوں خوشی سے یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے۔

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا اور انہوں نے مسجد نبوی میں کھجور کے خشک تنے کی

آواز سن لی۔ پس جب ان اجسام میں احساس و شعور ہے تو ان اجسام میں بطریق اولیٰ ہونا چاہیے جن میں روح اور حیات تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اپنے بندوں کو اس بدن کی طرف حیات کاملہ کا اعادہ کر کے دکھا دیا جس سے روح جدا ہو گئی تھی۔ پس اس نے کلام کیا اور چلا اور کھایا پیا اور نکاح کیا اور اس سے اولاد ہوئی۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ہے "وہ لوگ جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے۔ پھر کہا اللہ نے ان کو مرجاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا" (سورۂ بقرہ: ع ۳۲) "یا جیسے وہ شخص کہ گزرا ایک شہر پر اور وہ گر پڑا تھا اپنی چھتوں پر۔ بولا کہاں جلاوے گا اس کو اللہ مرگئے پیچھے پھر مار رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اس کو کہا تو کتنی دیر رہا۔ بولا میں رہا ایک دن یا دن سے کچھ کم" (سورہ بقرہ: ع ۳۵) اور جیسے بنی اسرائیل کا قتیل یا جیسے وہ لوگ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام سے کہا تھا "ہم یقین نہ کریں گے تیرا جب تک نہ دیکھیں اللہ کو سامنے" (سورۂ بقرہ: ع ۶) پس اللہ نے ان کو مار دیا۔ پھر موت کے بعد ان کو اٹھایا اور جیسے اصحاب کہف (سورۂ کہف) اور جیسے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلاۃ والسلام کا چار پرندوں کو زندہ کرنے کا قصہ (سورۂ بقرہ: ع ۳۵) پس جب اللہ تعالیٰ نے ان اجسام کی طرف جبکہ وہ موت سے ٹھنڈے ہو گئے تھے، کامل حیات کا اعادہ فرمایا تو اس کی قدرت کے لیے یہ کیونکر محال ہو سکتا ہے کہ موت کے بعد بندوں کی طرف ایک غیر مستقر حیات کا اعادہ کرے جس سے وہ ان میں اپنے حکم کو پورا کرے اور ان کو گویا کرے اور ان کے اعمال کے موافق عذاب یا راحت دے۔ اس سے انکار کرنا بے دلیل تکذیب و عناد و جحود ہے۔ (وباللّٰہ التوفیق) (کتاب الروح ص ۱۱۵-۱۱۷)

بیان بالا سے اس اعتراض کا جواب بھی ظاہر ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ قبر میں کافر کو ننانوے سانپ کاٹیں گے۔ مگر نظر کوئی نہیں آتا۔ پس اس قسم کے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے میں بھی ہمیں بقول امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) تصدیق کرنی چاہیے کہ سانپ قبر میں موجود ہیں اور کافر کو کاٹ رہے ہیں لیکن ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے کیونکہ یہ آنکھ امور ملکوتیہ کے مشاہدے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ صحابہ کرام باوجود نہ دیکھنے کے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پر ایمان رکھتے تھے، اور ان کا ایمان تھا کہ حضور اقدس ﷺ اس فرشتے کو دیکھتے تھے۔ اگر تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے تو تمہیں چاہیے کہ پہلے وحی اور فرشتوں پر اصل ایمان کو درست کرو کیونکہ یہ زیادہ ضروری ہے۔ اور اگر تم اس پر ایمان رکھتے ہو اور جائز سمجھتے ہو کہ حضور اقدس ﷺ ایک شے کو دیکھ لیں جو امت کو نظر نہ آئے تو پھر مردے کی صورت میں اس امر کو جائز کیوں نہیں سمجھتے۔ جس طرح فرشتہ آدمیوں اور حیوانوں کے مشابہ نہیں اسی طرح وہ سانپ جو قبر میں کافر کو کاٹتے ہیں اس دنیا کے سانپوں کی جنس سے نہیں بلکہ وہ اور ہی جنس ہیں۔ اور اور ہی حس سے ان کا ادراک ہو سکتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ، مطبوعہ مصر، جزء اول، ص ۱۴)

۴- برزخ کے عذاب و نعیم پر قرآن سے دلائل

قبر کے عذاب و نعیم کو برزخ کا عذاب و نعیم بھی کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ ہے جو موت اور آخرت کے مابین ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ (المومنون: ۱۰۰)

اور ان کے پیچھے برزخ ہے جس دن تک اٹھائے جائیں۔

یہ عذاب و نعیم قرآن سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:

۱- وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ۔ (انعام: ۹۳)

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ظالم ہیں موت کی بیہوشی میں اور فرشتے ہاتھ کھول رہے ہیں کہ نکالو اپنی جان۔ آج تم کو جزا ملے گی ذلت کی مار اس پر کہ کہتے تھے اللہ پر جھوٹ باتیں اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

یہ ظالموں سے موت کے وقت خطاب ہے اور فرشتے خبر دے رہے ہیں کہ آج

تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ اگر اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہوتا تو الیوم تجزون (آج تم کو جزا ملے گی) صحیح نہ ہوتا۔

۲۔ فَوَقٰهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۝ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ (مومن: ۴۵-۴۶)

پھر بچالیا موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے برے داؤں سے جو کرتے تھے اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب۔ آگ ہے کہ دکھادیتے ہیں ان کو صبح اور شام اور جس دن اٹھے گی قیامت، داخل کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں۔

یہاں برزخ اور قیامت ہر دو کے عذاب کا ذکر صریح موجود ہے۔ موضح القرآن میں ہے یہ عالم قبر کا حال ہے۔ کافر کو اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے، اور قیامت کو اس میں داخل ہوگا، اور مومن کو بہشت۔

۳۔ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (طور: ۴۵-۴۷)

سو تو چھوڑ دے ان کو جب تک ملیں اپنے دن سے کہ جس میں ان پر کڑاکا پڑے گا۔ جس دن کام نہ آئے گا ان کو ان کا داؤ کچھ، اور نہ ان کو مدد پہنچے گی۔ اور ان گنہگاروں کو ایک عذاب ہے اس سے علاوہ لیکن وہ بہت لوگ نہیں جانتے۔

یہاں عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ سے مراد عذاب برزخ ہے۔

(دیکھو تفسیر در منشور للسیوطی)

۴۔ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ

اور البتہ چکھادیں گے ہم ان کو ادنیٰ

الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

عذاب میں سے علاوہ اس بڑے عذاب کے کہ شاید وہ پھر آئیں۔ (السجدۃ: ۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو حبر الامہ اور ترجمان القرآن ہیں اس آیت سے بوجہ وقت نظر عذاب قبر سمجھے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو عذابوں کی خبر دی ہے ادنیٰ اور اکبر۔ پھر بتایا ہے کہ ان کو ادنیٰ کا بعض چکھایا جائے گا تاکہ باز آئیں۔ پس معلوم ہوا کہ ادنیٰ میں سے بقیہ باقی ہے جو عذاب دنیا کے بعد ملے گا اور یہی عذاب برزخ ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے من العذاب الادنی (ادنیٰ عذاب میں سے) فرمایا اور یوں نہ فرمایا ولنذیقنهم العذاب الادنی (اور البتہ ہم چکھائیں گے ان کو عذاب ادنیٰ) (کتاب الروح ص ۱۲۲)

۵۔ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ۝

پھر کیوں نہیں جس وقت جان پہنچے حلق کو اور تم اس وقت دیکھتے ہو۔ اور ہم اس کے پاس ہیں تم سے زیادہ لیکن تم نہیں دیکھتے۔ پھر کیوں نہیں اگر تم نہیں کسی کے حکم میں کیوں نہیں پھیر لیتے اس کو اگر ہو تم سچے۔ سو جو اگر وہ ہوا پاس والوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔ اور جو اگر وہ ہوا داہنے والوں میں تو سلامتی پہنچے تجھ کو داہنے والوں سے۔ اور جو اگر وہ ہوا جھٹلانے والوں بہکے ہوؤں میں تو مہمانی ہے جلتا پانی اور داخل ہونا آگ میں۔ بے شک یہ بات یہی ہے لائق یقین کے۔ سو بول پاکی

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝ (الواقعہ: ۸۳-۹۶)

اپنے رب بڑے کے نام سے۔

ان آیتوں میں موت کے بعد روحوں کے احکام مذکور ہیں اور ان کی تین قسمیں ہیں۔ اس سورت کے شروع میں قیامت کے دن روحوں کے احکام مذکور ہو چکے ہیں۔ اور ان کی بھی تین قسمیں بتائی گئی ہیں۔

۶- يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (الفجر: ۲۷-۳۰)

اے جی چین پکڑ لے پھر چل اپنے رب کی طرف تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر مل میرے بندوں میں اور داخل ہو میرے بہشت میں۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ روح سے یہ خطاب کب ہوتا ہے یا ہوگا۔ بعض کے نزدیک قیامت کے دن ہوگا اور ایک گروہ کے نزدیک موت کے وقت ہوتا ہے۔ ظاہر قول اخیر کا موید ہے۔ اور حدیث براء میں امام احمد کی روایت میں اسی کی تائید بدیں الفاظ ہے ایتھا النفس الطیبہ اخرجی الی مغفرہ من اللہ و رضوان یعنی ملک الموت مومن کی روح سے کہتا ہے کہ اے پاک جان اللہ کی بخشش اور رضا کی طرف نکل آ۔

۷- سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ (توبہ: ۱۰۱)

ان کو ہم عذاب کریں گے دو بار پھر پھیرے جائیں گے بڑے عذاب میں۔

اس آیت میں دو بار کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں کہ دو بار عذاب یوں ہے کہ ایک بار دنیا میں اور ایک بار قبر میں ہوگا۔ اور پھر عذاب عظیم یعنی عذاب دوزخ قیامت کو ہوگا۔

(تفسیر در منثور، للسیوطی، جزء ثالث، ص ۲۷۲)

۸- قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝ (مومن: ۱۱)

بولے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا ہم کو دو بار۔ اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ۔

اس آیت کی تفسیر میں دو موتوں کی نسبت ایک قول یہ ہے کہ دوسری موت وہ ہے جو قبر میں منکر و نکیر کے سوال کے بعد ہوگی جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ مسایرہ میں علامہ ابن الہمام نے یہی قول اختیار کیا ہے۔

۹- وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ (طٰہٰ: ۱۲۴)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لا دیں گے ہم اس کو دن قیامت کے اندھا۔

اس آیت میں تنگی کی گزران سے مراد عذاب قبر ہے جیسا کہ حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔ (در منثور، جزء رابع، ص ۳۱۱)

۱۰- يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ (ابراہیم: ۲۷)

مضبوط کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اور بچلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہے۔

حدیث براء بن عازب میں ہے کہ جب مومن کو قبر میں بٹھا کر فرشتے سوال کرتے ہیں تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کا شاہد اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے یثبت اللہ الذین امنوا۔ الایہ (صحیح بخاری، جزء اول، باب ما جاء فی عذاب القبر) موضح القرآن میں اس آیت پر یوں لکھا ہے "قبر میں جو کوئی مضبوط بات کہے گا، ٹھکانا نیک پائے گا اور جو بچلی بات کہے گا، خراب ہو گا"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برزخ کا عذاب و نعیم قرآن سے ثابت ہے۔ اگر اس عذاب و نعیم کی تفصیل درکار ہو تو احادیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن میں سے بعض اس کتاب میں بھی نقل ہوئی ہیں۔

۵- برزخ کے عذاب و نعیم کا مورد اور کیفیت

شیخ الاسلام تقی الدین سبکی شافعی بحث طویل کے بعد بطور نتیجہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

وقد عرف بهذا ان حياة جميع الموتى بارواحهم و اجسامهم فى قبورهم لاشك فيها واستمرار العذاب اوالنعيم بعد المسئله لا شك فيه ايضا لما سبق وكون ذلك فيما بعد وقت المسئله للروح فقط اولها مع الجسم مما يتوقف على السمع۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام مردوں کی حیات اپنی قبروں میں روحوں اور جسموں کے ساتھ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور سوال منکر و نکیر کے بعد اس عذاب یا نعیم کے دائمی ہونے میں بھی کوئی شک نہیں جیسا کہ پہلے ثابت ہوا اور آیا وہ عذاب یا نعیم سوال کے بعد فقط روح کے لیے ہے یا روح اور جسم دونوں کے لیے ہے۔ یہ دلیل سمعی یعنی نقلی پر موقوف ہے۔ (شفاء السقام، باب تاسع، فصل ثالث)

علامہ ابن قیم حنبلی اس مسئلے میں چند اقوال شاذہ و باطلہ ذکر کر کے یوں لکھتے ہیں:

فاذا عرفت هذه الاقوال الباطله فلتعلم ان مذهب سلف الامه و ائمتها ان الميت اذا مات يكون فی نعيم او عذاب و ان ذلك يحصل لروحه و بدنه و ان الروح تبقى بعد مفارقه البدن منعمه اومعذبه وانها تتصل بالبدن احيانا و يحصل له معها النعيم اوالعذاب ثم اذا كان يوم القيامه الكبرى اعيدت الارواح الى الاجساد و قاموا من قبورهم لرب العالمين۔

جب تو نے یہ اقوال باطلہ پہچان لیے تو تجھے جاننا چاہیے کہ سلف امت و ائمہ امت کا مذہب یہ ہے کہ آدمی جب مر جاتا ہے تو نعیم یا عذاب میں ہوتا ہے اور یہ اس کی روح اور بدن دونوں کو پہنچتا ہے اور روح بدن سے جدا ہونے کے بعد نعیم یا عذاب میں رہتی ہے اور کبھی بدن سے نزدیک ہو جاتی ہے اور بدن کو اس کے ساتھ نعیم یا عذاب پہنچتا ہے' پھر جب قیامت کبریٰ کا دن ہو گا تو روحیں بدنوں میں پھر ڈالی جائیں گی اور وہ رب العالمین کے آگے اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

(کتاب الروح' ص ۸۲-۸۳)

علامہ ابن الہمام حنفی (متوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

وبعد اتفاق اهل الحق على اعاده قدما يدرك به من الحياه تردد كثير من الاشاعره و الحنفيه فی اعاده الروح فمنعوا تلازم الروح والحياه الافی العاده و من الحنفيه القائلين بالمعاد الجسمانی من قال بانه توضع فيه الروح وقول من قال اذا صار ترابا يكون روحه متصلا بترابه فيتا لم الروح و التراب جميعا يحتمل قوله بتجرد الروح وجسمانيتها و

قد ذكرنا ان منهم كالماتريدی واتباعه من يقول بتجردها لكنه نقل اثرا انه قيل يارسول الله كيف يوجع اللحم فی القبرولم يكن فيه روح فقال كما يوجع سنك وان لم يكن فيه الروح قال فاخبران السن يوجع لانه متصل باللحم وان لم يكن فيه الروح فكذا بعد الموت لما كان روحه متصل باللحم وان لم يكن فيه الروح فكذا بعد الموت لما كان روحه متصلا بجسده يتوجع الجسد ولا يخفى ان مراده بالتراب اجزاءه الصغار ومنهم من اوجب التصديق بذلك و منع من الاشتغال بالكيفيه بل التفويض الى الخالق عزوجل۔

اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ جس سے وہ دکھ سکھ کا ادراک کر سکے۔ مگر اس امر میں بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ متردد ہیں کہ روح بھی مردے میں ڈالی جاتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ روح اور حیات میں بجز عادت کے تلازم نہیں(۱) اور جو حنفیہ(۲) معاد جسمانی کے قائل ہیں ان میں سے بعضے کہتے ہیں کہ میت میں روح ڈالی جاتی ہے' مگر جو شخص کہتا ہے کہ میت جب مٹی ہو جاتی ہے تو اس کی روح اس کی مٹی سے متصل ہوتی ہے لہٰذا

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقل کی رو سے روح و حیات میں تلازم نہیں۔ یعنی حیات کے تحقق کے لیے روح کا ہونا شرط نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے عادت جاری کر دی ہے کہ جب بدن سے روح کا تعلق ہو جاتا ہے تو وہ بدن میں حیات پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس گروہ کے نزدیک قبر میں روح کا اعادہ نہیں ہوتا بلکہ بدن میں بطور خارق عادت حیات پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ وہ ہیں جن کے نزدیک روح ایک جسم ہے جیسا کہ پہلے باب میں مفصل بیان ہوا۔

روح اور مٹی دونوں دکھ پاتے ہیں۔ اس کا یہ قول احتمال رکھتا ہے کہ وہ روح کے تجرد(۱) کا قائل ہو اور یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ وہ روح کی جسمانیت کا قائل ہو' اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ حنفیہ میں سے بعضے مثلاً امام ابو منصور ماتریدی (متوفی ۳۳۲ھ) اور ان کے اتباع روح کے تجرد کے قائل ہیں۔ لیکن امام ماتریدی نے ایک حدیث(۲) نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ قبر میں گوشت کیونکر دکھ پاتا ہے حالانکہ اس میں روح نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا جس طرح تیرا دانت درد کرتا ہے اگرچہ اس میں روح نہیں ہوتی۔ امام موصوف نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ دانت میں درد ہوتا ہے اس لیے کہ وہ گوشت سے متصل ہے۔ اگرچہ اس میں روح نہیں ہوتی۔ اسی طرح موت کے بعد چونکہ مردے کی روح اس کے بدن سے متصل ہوتی ہے اس کے جسم کو الم پہنچتا ہے۔ (اگرچہ اس میں روح نہیں ہوتی) اور پوشیدہ نہ رہے کہ مٹی سے مراد جسم کے چھوٹے چھوٹے اجزاء ہیں۔ اور حنفیہ میں سے بعضے کہتے ہیں کہ قبر کے عذاب و نعیم کی تصدیق واجب ہے مگر اس میں مشغول نہ ہونا چاہیے کہ اعادۂ روح اور عذاب و نعیم کا

(۱) روح کے جوہر مجرد ہونے سے یہ مراد ہے کہ روح جسم نہیں اور نہ جسم میں حلول کرنے والی قوت ہے۔ بلکہ بدن سے اس کا تعلق تدبیر و تصرف کا تعلق ہے جیسا کہ بادشاہ اپنے ملک میں تدبیر و تصرف کرتا ہے اور اس میں حلول کرنے والا نہیں ہوتا۔

(۲) شیخ کمال بن ابی شریف شافعی (متوفی ۹۰۵ھ) نے اس حدیث کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے موضوع ہونے کے نشان ظاہر ہیں (کتاب المسامرہ بشرح المسایرہ' ص ۲۳۲) مگر علامہ ابن الہمام اور علامہ زین الدین قاسم حنفی نے اس حدیث پر کوئی جرح نہیں کی' اور علامہ ابو المعین نسفی نے بحر الکلام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ (کتاب الجواہرۃ المنیفۃ فی شرح وصیۃ الامام الاعظم ابی حنیفہ' للامام ملا حسین بن اسکندر الحنفی' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدر آباد دکن' ص ۲۲) لہٰذا ابن ابی شریف کا اسے بلاوجہ موضوع خیال کرنا قابل جرح اور غیر مقبول ہے۔

ادراک کیونکر ہوتا ہے بلکہ اس کیفیت کا علم خالق عزوجل کے حوالہ کرنا چاہیے۔

(کتاب المسائرہ' فی العقائد المنجیہ فی الآخرہ' الرکن الرابع' الاصل الثانی و الثالث سوال منکر و نکیر و عذاب القبر و نعیمہ)

علامہ ابن الہمام کے قول یقول بتجردھا (روح کے تجرد کے قائل ہیں) پر علامہ زین الدین قاسم بن قطلوبغا حنفی (متوفی ۸۷۸ھ) نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

قلت الذی تقدم عن الماتریدی فی الروح الثابتہ حالہ الحیاہ و اما بعد الموت فلا یختص القول بتجردھا بالماتریدی قال الامام القونوی و ارواح الکفار متصلہ باجسادھا فتعذب ارواحھا فیتالم ذلک الجسد کالشمس فی السماء و نورھا فی الارض و اما ارواح المومنین فی علیین و نورھا متصل بالجسد و یجوز مثل ذلک الا تری ان الشمس فی السماء و نورھا فی الارض و کذلک النائم تخرج روحہ ومع ذلک یتالم اذا کان بہ الم و یصیب بہ راحہ حتی یسمع منہ الضحک فی المنام یدل علیہ قولہ تعالی اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا کذا ذکرہ الشیخ ابو المعین النسفی فی اصولہ۔

میں کہتا ہوں امام ماتریدی کا قول جو پہلے گزرا وہ اس روح کی نسبت تھا جو حیات کی حالت میں ثابت ہو مگر موت کے بعد روح کے تجرد کا قائل ہونا امام ماتریدی سے خاص نہیں۔ امام قونوی (متوفی ۷۶۴ھ) فرماتے ہیں

کہ کافروں کی روحیں ان کے جسموں سے متصل ہوتی ہیں۔ پس روحوں کے عذاب سے ان کے جسم دکھ پاتے ہیں۔ جیسا کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہے، اور مومنوں کی روحیں علیین میں ہیں اور ان کا نور ان کے جسم سے متصل ہے۔ اور اس طرح کا ہونا جائز ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ سورج آسمان میں ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہے اور اسی طرح سونے والے کا حال ہے کہ اس کی روح نکل جاتی ہے مگر باوجود اس کے روح کے دکھ سے وہ دکھ پاتا ہے اور (روح کی راحت سے) اس کو راحت پہنچتی ہے یہاں تک کہ خواب میں اس کی ہنسی سنی جاتی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے "الله يتوفى الانفس حين موتها والتي لم تمت في منامها"۔ شیخ ابوالمعین میمون بن محمد نسفی حنفی (متوفی ۵۰۸ھ) نے اس کو اپنی کتاب اصول (بحر الکلام) میں اسی طرح ذکر کیا ہے:

(کتاب المسامرہ بشرح المسایرۃ و علی المسایرۃ ایضا حاشیہ للشیخ زین الدین قاسم الحنفی، مطبوعہ مصر، ص ۲۳۲)

بیان بالا سے ایک قابل غور امر جو ثابت ہوا وہ یہ ہے کہ حنفیہ ماتریدیہ کے نزدیک میت کی روح کو بدن سے یا بدن کے اجزائے باقیہ سے اتصال اور تعلق رہتا ہے۔ اس لیے برزخ کے عذاب و نعیم میں دونوں شریک رہتے ہیں۔ احادیث میں بھی اسی کی تائید پائی جاتی ہے۔ چنانچہ مشکوۃ شریف میں ہے:

عن عمرو بن العاص قال لابنه وهو في سياق الموت اذا انامت فلا تصحبني نائحه ولا نار فاذا دفنتموني فشنوا على التراب شنا ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور و يقسم لحمها حتى

استانس بكم و اعلم ماذا ارجع به رسل ربي- رواه مسلم

حضرت عمرو بن العاص نے نزع کی حالت میں اپنے بیٹے سے کہا جس وقت میں مر جاؤں کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے ساتھ نہ ہو اور نہ آگ ہو۔ جب تم مجھے دفن کر دو تو مجھ پر نرمی سے تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالو پھر میری قبر کے گرد اتنا ٹھہرو کہ جتنی دیر میں اونٹنی ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے آرام پاؤں اور جان لوں کہ اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے) (کتاب الجنائز، باب دفن المیت، فصل ثالث)

نرمی و سہولت سے خاک ڈالنے کی وصیت اس واسطے فرمائی کہ میت کو اس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے جس سے زندہ کو پہنچتی ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں ہے "پس بہ نرمی و سہولت بیند ازید بر من خاک را یعنی اندک اندک اندازید و ایں اشارت است بآنکہ میت احساس مے کند و دردناک مے شود بانچہ دردناک مے شود باں زندہ"۔

مشکوۃ ہی میں ہے:

عن عائشه رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال كسر عظم الميت ككسره حيا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مردے کی ہڈی توڑنا اس کی حالت حیات میں ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔

(اس کو امام مالک اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے "باب دفن المیت" میں روایت کیا ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندہ جس چیز سے دکھ سکھ پاتا ہے، اسی سے مردہ بھی الم و راحت پاتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اس کے تحت میں یوں لکھا ہے "ابن

عبدالبر (مالکی) گفتہ است کہ از ینجا استفادہ مے گردد کہ میت متالم مے گردد بہ جمیع آنچہ متالم مے گردد بداں حی و لازم ایں است کہ متلذذ گردد بتمام آنچہ متلذذ مے شود بداں زندہ۔

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا محمد بن جعفر قال ثنا شعبہ عن محمد بن عبدالرحمن الانصاری قال قالت لی عمرہ اعطنی قطعہ من ارضك ادفن فیھا فانی سمعت عائشہ تقول کسر عظم المیت مثل کسر عظم الحی قال محمد و کان مولی من اھل المدینہ یحدثہ عن عائشہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

حدیث بیان کی ہم کو عبداللہ نے کہ حدیث بیان کی مجھ کو میرے باپ نے کہ حدیث بیان کی ہم کو محمد بن جعفر نے، کہا کہ حدیث بیان کی ہم کو شعبہ نے محمد بن عبدالرحمن سے کہا محمد نے۔ مجھ سے حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ مجھے اپنی زمین میں سے ایک ٹکڑا دو کہ میں اس میں دفن کی جاؤں۔ کیونکہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے سنا ہے کہ مردے کی ہڈی توڑنا زندے کی ہڈی توڑنے کی مثل ہے۔ کہا محمد نے کہ اہل مدینہ میں سے ایک آزاد کردہ غلام اس کو روایت کرتا تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور وہ نبی ﷺ سے۔

(جزء سادس، ص۱۰۰)

حضرت عمرہ کا ایک قطعہ زمین اپنے دفن ہونے کے لیے مانگنا اس وجہ سے تھا کہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں دفن ہو جائیں تو شاید مالک ان کی لاش کو نکال دے او

اس طرح انہیں تکلیف پہنچے۔ مشکوۃ شریف میں ہے:

عن عمرو بن حزم قال رانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم متکئا علی قبر فقال لاتوذ صاحب ھذا القبر اولا توذہ۔ رواہ احمد۔

حضرت عمرو بن حزم فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے مجھے ایک قبر پر تکیہ لگائے دیکھا۔ آپ نے فرمایا اس قبر والے کو اذیت نہ دے یا فرمایا اس کو اذیت نہ دے۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ (باب دفن المیت)

اشعۃ اللمعات میں ہے "شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش میدارد و راضی نیست بتکیہ کردن بر قبر وے از جہت متضمن وے اہانت و استخفاف رابوے واللہ اعلم۔

فتاویٰ قاضی خاں (متوفی ۵۹۲) میں ہے:

یکرہ قلع الحطب والحشیش من المقبرہ فان کان یابسا لاباس بہ لانہ مادام رطبا یسبح فیونس المیت۔

مقبرے سے ایندھن اور گھاس کا اکھاڑنا مکروہ ہے۔ اگر خشک ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ جب تک سبز و تازہ رہتی ہے، وہ تسبیح پڑھتی ہے پس میت کو انس آرام دیتی ہے۔

۶- برزخ میں روح کا مقام

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ برزخ میں روحوں کے مقام مختلف ہوتے ہیں۔

۱- بعض روحیں اعلیٰ علیین میں ملاء اعلیٰ میں ہیں اور وہ انبیاء کی روحیں ہیں صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین۔ اور ان کے منازل متفاوت ہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے شب معراج میں ان کو دیکھا۔

۲- بعض روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں جو بہشت میں چرتے ہیں جہاں چاہتے ہیں اور یہ بعض شہیدوں کی روحیں ہیں۔ سب شہیدوں کی نہیں، کیونکہ شہیدوں میں ایسے بھی ہیں جن کی روحیں قرض وغیرہ کے سبب جنت میں داخل ہونے سے روکی جاتی ہیں۔ چنانچہ مسند میں محمد بن عبداللہ بن جحش سے روایت ہے:

ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ اگر میں خدا کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ حضور نے فرمایا بہشت۔ جب وہ شخص واپس آنے لگا تو آپ نے فرمایا مگر کسی کا قرض اس کے ذمہ نہ ہو۔ مجھے ابھی حضرت جبرئیل نے یہ آہستہ بتایا ہے۔

۳- بعض بہشت کے دروازے پر روکی جاتی ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ میں نے تمہارے صاحب کو بہشت کے دروازے پر محبوس پایا۔

۴- بعض قبر میں محبوس ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ شخص جس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چھپالی تھی، اس کی نسبت حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ وہ چادر قبر میں اس پر شعلہ زن ہوگی۔

۵- بعض روحوں کا مقام بہشت کا دروازہ ہے۔ چنانچہ حدیث ابن عباس میں ہے کہ:

"شہید بہشت کے دروازے میں ایک نہر کے کنارے پر سبز قبہ میں ہوں گے۔ ان کو صبح و شام بہشت سے رزق ملے گا"۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ بخلاف حضرت جعفر بن ابی طالب کے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہاتھوں کے بجائے دو بازو عطا کیے ہیں جن سے وہ بہشت میں جہاں چاہیں اڑتے ہیں۔

۶- بعض روحیں زمین میں محبوس ہوتی ہیں اور ملاء اعلیٰ میں نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ وہ سفلی ارضی ہیں جو ارواح سماویہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔ المرء مع من احب (انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جسے وہ دوست رکھے)

۷- بعض روحیں زانی مردوں اور زانیہ عورتوں کے تنور میں ہوتی ہیں۔ اور بعض خون کی نہر میں تیرتی ہیں اور پتھر نگلتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ روحیں نیک ہوں یا بد ان کے مقام مختلف ہوتے ہیں۔ بلکہ ایک روح تو اعلیٰ علیین میں ہے اور ایک ارضی سفلی ہے کہ زمین سے اوپر نہیں چڑھتی۔ مگر باایں ہمہ ہر روح کا تعلق اپنے جسم سے رہتا ہے۔ (کتاب الروح، ص۱۸۶-۱۸۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی (متوفی ۸۵۲ھ) نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ مومنوں کی روحیں علیین میں ہیں اور کافروں کی روحیں سجین میں ہیں، اور ہر روح کو اپنے بدن سے اتصال معنوی ہے جو حیات دنیوی کے اتصال کے مشابہ نہیں۔ بلکہ اس اتصال معنوی کو سب سے زیادہ مشابہت سونے والے کے حال سے ہے۔ اگرچہ یہ اتصال سونے والے کے اتصال سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے اس قول سے تطبیق ہو جاتی

ہے اس میں جو آیا ہے کہ روحیں علیین یا سجین میں ہیں اور اس میں جو ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) نے جمہور سے نقل کی ہے کہ روحیں اپنی قبروں کے گرداگرد ہوتی ہیں۔ بایں ہمہ روحوں کو تصرف کی اجازت ہے حالانکہ وہ علیین یا سجین میں اپنے محل میں پناہ گزین ہوتی ہیں۔ اور جب میت ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف منتقل کی جائے تو اتصال مذکور بدستور قائم رہتا ہے۔ اسی طرح اگر اجزائے میت متفرق ہو جائیں تو وہ اتصال اسی طرح قائم رہتا ہے۔ (شرح الصدور للسیوطی' ص ۹۶)

امام ابوالمعین نسفی حنفی "بحر الکلام" میں لکھتے ہیں کہ

روحوں کی چار(۱) قسمیں ہیں: انبیاء کی روحیں اپنے بدنوں سے نکلتی ہیں اور ان کی صورت کی مثل کستوری و کافور کی مثل ہو جاتی ہے اور جنت میں کھاتی پیتی ہیں اور راحت میں ہوتی ہیں' اور رات کو عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں۔ اور فرمانبردار مومنوں کی روحیں بہشت کی بیرونی دیوار میں رہتی ہیں نہ کھاتی ہیں نہ متمتع ہوتی ہیں مگر بہشت کی طرف دیکھتی ہیں۔ اور گنہگار مومنوں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں ہوتی ہیں۔

رہے کفار سو ان کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سجین میں سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہوتی ہیں اور وہ اپنے جسموں سے متصل ہوتی ہیں۔ پس روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے اور اس سے بدن الم اٹھاتے ہیں جیسا کہ سورج آسمان میں ہوتا ہے اور اس کی روشنی زمین پر ہوتی ہے۔ (شرح الصدور' ص ۹۸)

(۱) امام قونوی نے بھی یہی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ دیکھو حاشیہ الشیخ زین الدین قاسم الحنفی علی المسایرہ' للعلامہ الکمال ابن الہمام' ص ۲۲۴۔

۷۔ موتے کا سماع اور کلام

مردوں کو زندوں کی زیارت کا علم ہوتا ہے۔ وہ زندوں کا سلام و کلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ وہ زندوں کے اعمال و احوال سے واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے "ھل تعرف الاموات بزیارہ الاحیاء و سلامھم ام لا" یعنی کیا مردے زندوں کی زیارت و سلام کو پہچانتے ہیں یا نہیں؟ علامہ موصوف نے جو اس سوال کا جواب دیا ہے' اس کا خلاصہ اردو میں یہ ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے کہا کہ نبی ﷺ سے یہ امر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مامن مسلم یمر علی قبر اخیه کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الارد الله علیه روحه حتی یرد علیه السلام-(۱)

جو مسلمان اپنے بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو اللہ اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

(۱) حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) نے اس حدیث کو استذکار اور تمہید میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے' اور حافظ ابو محمد عبدالحق الاشبیلی (متوفی ۵۸۲ھ) نے اسے حکام صغریٰ میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا اسناد ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح ہے۔ (شرح الصدور

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

پس یہ نص ہے کہ صاحب قبر سلام کرنے والے کو پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی طرح سے یہ روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے بدر کے مقتولین کنوئیں میں ڈال دیئے گئے۔ پھر آپ تشریف لائے یہاں تک کہ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور ان کو ان کے ناموں سے یوں پکارا۔ اے فلاں بیٹے فلاں کے' اے فلاں بیٹے فلاں کے۔ کیا تم نے سچ پایا اسے جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ میں نے تو جو کچھ میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا' سچ پایا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ آپ ان لوگوں سے کیا خطاب فرماتے ہیں جو مردار ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والذین بعثنی بالحق ما انتم باسمع لما اقول منهم ولکنهم لا یستطیعون جوابا۔(۱)	قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا کہ تم ان کی نسبت زیادہ نہیں سنتے جو کچھ میں کہتا ہوں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس وقت جنازے کے ہمراہی لوگ واپس آتے ہیں تو مردہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

للسیوطی' ص ۸۰ اور وفاء الوفا' جزء ثانی' ص ۴۰۴) اور علامہ ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۷ھ) نے رسالہ زیارۃ القبور میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور علامہ سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) نے وفاء الوفا (جزء ثانی' ص ۴۰۴) میں اس سے استدلال کیا ہے اور پھر لکھا ہے کہ ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم میں ذکر کیا ہے جیسا کہ ابن عبدالهادی نے نقل کیا ہے کہ جب کوئی مسلمان شہداء بلکہ مومنین کی قبروں کی زیارت کرے اور ان کو سلام کہے تو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں' اور شیخ ابن حجر ؒ شافعی (متوفی ۹۷۳ھ) نے جوہر المنظم فی زیارہ القبر الشریف النبوی المکرم ص ۳۲ میں اسے صحیح کہا ہے۔

(۱) یعنی وہ ایسا جواب نہیں دے سکتے جس کو تم سن سکو۔

ہے(۱) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لیے یہ طریق مقرر فرمایا ہے کہ اہل قبور کو یوں سلام کہا کرو۔

السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین۔(۲)	سلام تم پر اے گھر والو مومنو اور مسلمانو۔

اور یہ خطاب ہے اس کو جو سنتا ہو اور عقل رکھتا ہو۔ ورنہ یہ معدوم شے اور جماد (اینٹ پتھر وغیرہ) کے خطاب کی مانند ہوگا' اور سلف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے متواتر شواہد آئے ہیں کہ مردہ زندے کی زیارت کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔ ابن ابی الدنیا (متوفی ۲۸۲ھ) نے کتاب القبور (باب معرفۃ الموتی بزیارہ الاحیاء) میں لکھا ہے کہ حدیث بیان کی ہم کو محمد بن عون نے کہ حدیث بیان کی ہم کو یحیٰی بن یمان نے عبداللہ بن سمعان سے اس نے زید بن اسلم سے' اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به	جو شخص اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے وہ

(۱) عن انس بن مالک رضی الله عنه انه حدثهم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان العبد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه وانه لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکان (الحدیث)

(صحیح بخاری' باب ماجاء فی عذاب القبر)

(۲) حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کو تعلیم فرماتے تھے کہ جب تم مقبروں کی طرف نکلو تو یوں کہا کرو السلام علیکم اهل الدیار من المومنین والمسلمین وانا ان شاء الله بکم للاحقون نسال الله لنا ولکم العافیه۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ باب زیارۃ القبور)

ورد عليه حتى يقوم-(۱)

اس سے آرام پاتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھتا ہے۔

اور کتاب القبور ہی میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم کو محمد بن قدامہ جوہری نے کہ حدیث بیان کی ہم کو معن بن عیسیٰ قزاز نے کہ خبر دی ہم کو ہشام بن سعد نے کہ حدیث بیان کی ہم کو زید بن اسلم نے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اذا مر الرجل بقبر اخيه يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام وعرفه واذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام-(۲)

جب آدمی اپنے بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جسے وہ پہچانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان لیتا ہے اور جب ایسی قبر سے گزرتا ہے کہ جس کے صاحب کو وہ نہ پہچانتا تھا اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اور کتاب مذکور ہی میں ہے کہ بیان کیا ہم کو محمد بن الحسین نے کہ بیان کیا مجھ کو بکر بن محمد نے کہ بیان کیا ہم کو حسن قصاب نے کہ:

میں ہفتہ کے دن ہر صبح محمد بن واسع کے ساتھ جایا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ہم گورستان میں آتے اور قبروں کے پاس ٹھہر جاتے اور ان کو سلام کہتے اور ان کے لیے دعا مانگتے پھر لوٹ آتے۔ ایک دن میں نے کہا اگر آپ اس دن کے بجائے اتوار کا دن مقرر کر دیں تو اچھا ہو گا۔ اس پر محمد بن واسع نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ مردے جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن بعد زیارت کرنے والوں کو پہچان لیتے

(۱) ابن ابی الدنیا کے علاوہ حافظ عبدالحق اشبیلی نے کتاب العاقبہ (وفاء الوفاء للعلامہ السمہودی، جزء ثانی، ص ۴۰۴) میں اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں اس سے استدلال کیا ہے۔

(۲) اس حدیث کو امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بھی شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

(شرح الصدور، ص ۸۰)

ہیں۔(۱)

(۱) اس سے یہ مراد نہیں کہ ان تین دنوں کے سوا اور دن بالکل نہیں پہچانتے۔ بلکہ اس سے مطلب یہ ہے کہ اور دنوں کی نسبت ان تین دنوں میں زیادہ پہچانتے ہیں۔ چنانچہ ابن قیم نے اپنی کتاب (زاد المعاد، جزء اول، ص ۱۱۵) میں خصائص جمعہ میں یوں لکھا ہے:

الحادیه والثلاثون ان الموتى تدنوا ارواحهم من قبورهم و توافيها في يوم الجمعه فيعرفون زوارهم ومن يمر بهم و يسلم عليهم ويلقاهم في ذلك اليوم اكثر من معرفتهم بهم في غيره من الايام-

اکیسویں خاصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن مردوں کی روحیں اپنی قبروں سے نزدیک ہوتی ہیں اور قبروں کے پاس آتی ہیں پس مردے زیارت کرنے والوں اور گزرنے والوں اور سلام کرنے والوں اور ملاقات کرنے والوں کو اور دنوں کی نسبت اس دن زیادہ پہچانتے ہیں۔

اور (زاد المعاد جزء اول، ص ۱۱۶) ہی میں ہے:

وذكر عن سفيان الثوري قال بلغني عن الضحاك انه قال من زار قبرا يوم السبت قبل طلوع الشمس علم الميت بزيارته فقيل له كيف ذلك قال لمكان يوم الجمعه-

اور حضرت سفیان ثوری سے مذکور ہے کہ مجھے ضحاک سے یہ خبر پہنچی ہے کہ جو شخص شنبہ (ہفتہ) کے دن آفتاب نکلنے سے پہلے کسی قبر کی زیارت کرے۔ تو مردے کو اس کی زیارت کا علم ہو جاتا ہے۔ حضرت ضحاک سے پوچھا گیا کہ یہ کیوں۔ فرمایا کہ یوم جمعہ کے شرف کے سبب۔

شیخ ابن حجر مکی شہدائے احد کی زیارت کے لیے یوں فرماتے ہیں:

والافضل ان يكون ذلك يوم الخميس لان الموتى يعلمون اي يزيد علمهم لا لادله على دوام علمهم بزوارهم يوم الجمعه ويوما قبله ويوما بعده كما نقله

افضل یہ ہے کہ زیارت پنج شنبہ کو ہو کیونکہ مردے پہچانتے ہیں یعنی زیادہ پہچانتے ہیں (یہ معنی اس لیے کیے کہ ان کے علم کے دوام پر دلیلیں موجود ہیں) اپنے زیارت کرنے والوں کو جمعہ کے دن اور اس سے ایک دن

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اور ابن ابی الدنیا نے کہا کہ بیان کیا ہم کو خالد بن خداش نے کہا بیان کیا ہم کو جعفر بن سلیمان نے ابو التیاح سے کہ:

مطرف بادیہ نشین تھے، جب جمعہ کا دن ہوتا تو (نماز جمعہ سے واپس آنے میں) اندھیرا ہو جاتا۔ جعفر بن سلیمان نے کہا کہ میں نے ابو التیاح کو سنا کہ کہتا تھا ہمیں خبر ملی ہے کہ مطرف کے لیے ان کے کوڑے میں نور(۱) پیدا ہو جایا کرتا تھا۔ پس آپ ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی الاحیاء عن محمد بن واسع انہ بلغہ ذلک۔

آگے اور ایک دن پیچھے جیسا کہ احیاء العلوم میں محمد بن واسع سے نقل کیا ہے کہ اس کو یہ خبر ملی ہے۔

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم، ص ۹۳)

پس معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن روحوں کے قرب کے سبب مردوں کو سب دنوں سے زیادہ پہچان ہوتی ہے اور جمعہ کے شرف کے سبب اس سے ایک دن پہلے اور ایک دن پیچھے باقی ایام سے زیادہ معرفت حاصل ہوتی ہے۔

(۱) حضرت مطرف بن عبداللہ حرشی عامری بصری تابعین میں سے ہیں۔ آپ بڑے پرہیزگار اور ثقہ تھے۔ آپ کی روایت سے تمام صحاح ستہ میں حدیثیں موجود ہیں۔ آپ کا وصال حجاج بن یوسف کے عہد میں ۸۷ھ کے بعد ہوا۔ آپ کے مناقب بکثرت ہیں۔ طبقات ابن سعد (جزء سابع، ص ۱۰۵) میں ہے:

اخبرنا مسلم بن ابراہیم قال حدثنا ابو عقیل قال حدثنا یزید قال کان مطرف یبدوا فاذا کان یوم الجمعہ جاء لیشہد الجمعہ فبینما ہو یسیر ذات لیلہ فلما کان فی وجہ الصبح سطع من راس سوطہ نور لہ

خبر دی ہم کو مسلم بن ابراہیم نے کہ حدیث کی ہم کو ابو عقیل نے کہ حدیث کی ہم کو یزید نے کہ حضرت مطرف بادیہ نشین تھے۔ جب جمعہ کا دن ہوتا تو آپ نماز جمعہ کے لیے آتے۔ ایک رات آپ چل رہے تھے۔ جب صبح کا آغاز ہوا تو آپ کے کوڑے کے سرے سے ایک نور چمکا جس کے دو حصے تھے۔ آپ نے

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

رات آئے یہاں تک کہ جب مقبروں کے پاس پہنچے تو اونگھ سے آپ کا سر ہل گیا اور آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ پس آپ نے اہل قبور میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی قبر پر بیٹھے دیکھا وہ بولے کہ یہ مطرف ہے جو جمعہ کو آیا کرتا ہے۔

آپ کا بیان ہے کہ میں نے ان سے پوچھا کیا تمہیں جمعہ کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ بولے ہاں۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ جمعہ کے دن پرندے کیا کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں (اے رب) تو سلامت رکھ۔ تو سلامت رکھ۔

ابن ابی الدنیا ہی نے کہا کہ بیان کیا(۱) مجھ کو محمد نے کہ بیان کیا مجھ کو احمد بن سہل نے کہ بیان کیا مجھ کو رشیدین بن سعد نے ایک شخص سے۔ اس شخص نے یزید بن ابی حبیب سے کہ سلیم بن عمیر ایک مقبرے سے گزرے اور انہیں زور کا پیشاب آیا ہوا تھا۔ پس ایک ساتھی نے آپ سے کہا اگر آپ ان مقبروں کی طرف اتر جائیں تو کسی گڑھے میں پیشاب کر لیں۔ یہ سن کر آپ رو پڑے۔ پھر فرمایا:

سبحان اللہ واللہ انی لاستحیی من الاموات کما استحیی من الاحیاء۔

سبحان اللہ! اللہ کی قسم مجھے مردوں سے ایسی شرم آتی ہے جیسا زندوں سے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شعبتان فقال لابنہ عبداللہ وہو خلفہ یا عبداللہ اترانی اذا صبحت فحدثت الناس بہذا کانوا یصدقونی قال فلما اصبح ذہب۔

اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا اور وہ آپ کے پیچھے تھا، تو بتا اگر صبح کو میں لوگوں سے یہ بیان کر دوں تو وہ میری تصدیق کریں گے، جب صبح ہوئی تو وہ نور جاتا رہا۔

(۱) شرح الصدور، ص ۱۱۹۔

اگر میت کو اس کا علم نہ ہوتا تو حضرت سلیم شرم نہ کرتے۔(ا) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ میت کو اپنے زندہ خویش و اقارب کا علم ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ بیان کیا مجھ کو ثور بن یزید نے ابراہیم سے

(ا) سنن ابن ماجہ (باب ما جاء فی النہی عن المشی علی القبور و الجلوس علیہا) میں عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لان امشی علی جمرہ اوسیف حتی یخطف رجلی احب الی من ان امشی علی قبر مسلم وما ابالی اوسط القبور قضیت حاجتی اووسط السوق۔

چنگاری یا تلوار پر چلنا یہاں تک کہ میرا پاؤں جاتا رہے مجھے پسندیدہ تر ہے اس سے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں اور میں پروا نہیں کرتا کہ قبروں کے درمیان قضائے حاجت کروں یا بازار کے درمیان۔

یعنی جیسے بازار کے وسط میں قضاء حاجت سے مجھے شرم آتی ہے، اسی طرح قبروں کے درمیان قضائے حاجت سے شرم آتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

کنت ادخل بیتی الذی دفن فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی فاضع ثوبی فاقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معھم فواللہ ما دخلت الا و انا مشدودہ علی ثیابی حیاء من عمر۔

میں اپنے گھر میں داخل ہو جایا کرتی جہاں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد مدفون ہیں اور میں چادر سے ستر نہ کرتی اور کہتی وہاں کوئی نہیں مگر میرے خاوند ﷺ اور میرے والد رضی اللہ عنہ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ مدفون ہوئے تو خدا کی قسم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شرم کے مارے بجز تمام بدن چھپائے اس گھر میں داخل نہ ہوئی۔

(مسند امام احمد، جزء سادس ص ۲۰۳، مشکوۃ، باب زیارۃ القبور)

اس حدیث کے تحت میں اشعۃ اللمعات میں یوں لکھا ہے: دریں دلیلے واضح است بر حیات میت و علم وے۔ و آنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصا صالحان و مراعات ادب بر قدر مراتب ایشان چنانچہ در حالت حیات ایشان بود زیرا کہ صالحان را مدد بلیغ است مر زیارت کنندگان خود راہم اندازہ ادب ایشاں کذا فی شرح الشیخ۔

اور ابراہیم نے ابو ایوب سے کہ:

زندوں کے اعمال مردوں(ا) پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس جب وہ نیکی دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو بشارت دیتے ہیں اور اگر برائی دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ اسے ہدایت پر لا۔

ابن ابی الدنیا نے احمد بن عبداللہ بن ابی الحواری کی روایت سے ذکر کیا کہ اس نے کہا بیان کیا مجھ کو میرے بھائی محمد نے کہ:

عباد بن عباد، ابراہیم بن صالح کی خدمت میں گیا اور ابراہیم مذکور فلسطین کا حاکم تھا۔ اس نے عباد سے کہا کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ عباد نے کہا اللہ تیری اصلاح کرے میں تجھے کیا نصیحت کروں۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ زندوں کے اعمال ان کے مردہ اقارب پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس تو دیکھ کہ تیرے کیسے عمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم پر پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ سن کر ابراہیم اتنا رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔(۲)

(ا) امام احمد نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابن مندہ نے بروایت انس نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے عمل مردہ رشتہ داروں اور نزدیکیوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر عمل نیک ہو تو وہ خوش ہوتے ہیں اور اگر بد ہو تو کہتے ہیں یا اللہ تو ان کو موت نہ دے یہاں تک کہ تو ان کو ہدایت دے۔ جیسا کہ تو نے ہم کو ہدایت دی۔

(شرح الصدور، ص ۱۰۴)

(۲) حکیم ترمذی متوفی (۲۵۵ھ) نے نوادر الاصول میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ وتعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامھات یوم الجمعہ فیفرحون

پیر اور جمعرات کو اللہ کے آگے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور جمعہ کے دن نبیوں اور ماں باپوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ پس وہ ان کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

ابن ابی الدنیا نے کہا کہ بیان کیا مجھ کو محمد بن الحسین نے کہ بیان کیا مجھ کو خالد بن عمرو اموی نے، کہ بیان کیا ہم کو صدقہ بن سلیمان جعفری نے کہ:

میں بڑا عیاش تھا جب میرے باپ نے وفات پائی تو میں نے توبہ کی اور اپنے قصور پر نادم ہوا۔ پھر مجھ سے سخت لغزش ہو گئی۔ پس میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا۔ اس نے کہا اے بیٹا میں تجھ سے کیسا خوش ہوا کرتا تھا جب تیرے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے تھے۔ ہم تیرے اعمال کو صالحین کے اعمال سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ اس دفعہ میں تیرے اعمال سے سخت شرمندہ ہوا۔ پس تو مجھے میرے اردگرد کے مردوں میں رسوا نہ کر۔ خالد بن عمرو کا قول ہے کہ میں اس کے بعد صدقہ کو سنا کرتا تھا کہ صبح کو یوں دعا مانگا کرتا تھا اور وہ کوفہ میں میرا ہمسایہ تھا:

اسئالک انابه لارجعه فیها ولا حور یا مصلح الصالحین و یا هادی المضلین ویا ارحم الراحمین۔

اے نیکوں کی اصلاح کرنے والے اور اے بھکانے والوں کے ہدایت دینے والے اور اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے میں تجھ سے ایسی انابت مانگتا ہوں کہ جس میں پھر رجوع و بازگشت نہ ہو۔

اس باب میں صحابہ کرام سے بہت سے آثار آئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ کے شہید ہونے کے بعد ان کے اقارب میں سے ایک انصاری یوں دعا مانگا کرتا تھا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بحسناتهم وتزداد وجوههم بیاضا واشراقا فاتقوا الله ولا تؤذوا موتاکم۔

کا نور اور چمک زیادہ ہو جاتی ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اذیت نہ دو۔

(شرح الصدور، ص ۱۴)

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ جو مومن عالم برزخ میں چلا جاتا ہے وہ غالباً زندوں کے حالات جانتا ہے۔ زرقانی نے اس کے ثبوت میں یہی حدیث نوادر الاصول تحریر کی ہے۔

(زرقانی علی المواہب، جزء ثامن، ص ۳۰۵)

اللهم انی اعوذبک من عمل اخزی به عند عبدالله بن رواحه۔

یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے عمل سے کہ جس سے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ کے پاس رسوا کیا جاؤں۔

اور اس بارے میں یہ کافی ہے کہ موتے پر سلام کرنے والے کو زائر کہا گیا۔ اگر وہ اسے نہ پہچانتے تو سلام کرنے والے کو زائر کہنا درست نہ ہوتا۔ کیونکہ مزور (زیارت کردہ شدہ) کو اگر زائر کی زیارت کا علم نہ ہو تو یہ صحیح نہیں کہ کہا جائے "اس نے اس کی زیارت کی"۔ تمام لوگ زیارت سے یہی سمجھتے ہیں، اور موتی پر سلام کا بھی یہی حال ہے۔ کیونکہ جس شخص کو سلام کرنے والے کا شعور و علم نہ ہو اسے سلام کہنا محال ہے۔ اور نبی ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جب زیارت قبور کرو تو یوں کہا کرو:

السلام علیکم اهل الدیار من المومنین و المسلمین وانا ان شاء الله بکم لاحقون یرحم الله المستقدمین منا ومنکم و المستاخرین نسال الله لنا ولکم العافیه۔

سلام تم پر اے گھر والو مومنو اور مسلمانو! اور ہم انشاء اللہ تمہارے پاس پہنچنے والے ہیں۔ اللہ رحم کرے ہم میں سے اور تم میں سے پہلوں اور پچھلوں پر۔ ہم اپنے لیے اور تمہارے لیے اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔

یہ سلام و خطاب اور پکارنا موجود کے لیے ہے جو سنتا ہو اور قابل خطاب ہو اور عقل رکھتا ہو اور جواب دیتا ہو خواہ سلام کرنے والا جواب کو نہ سنے۔

اور جب کوئی شخص مردوں کے قریب نماز پڑھتا ہے تو وہ اسے دیکھتے ہیں اور اس کی نماز کو جانتے ہیں اور اس پر رشک کھاتے ہیں۔ یزید بن ہارون نے کہا کہ خبر دی

ہم کو سلمان تیمی نے ابو عثمان نہدی سے کہ ابن اساس(۱) ایک روز کسی جنازے کے ساتھ نکلے اور وہ ہلکے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آخر وہ ایک قبر کے پاس پہنچے۔

ان کا بیان ہے کہ میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر میں نے اس قبر پر تکیہ لگایا۔ اللہ کی قسم میرا دل بیدار تھا کہ اتنے میں میں نے قبر سے یہ آواز سنی:

الیک عنی لا توذنی فانکم قوم تعملون ولا تعلمون ونحن قوم نعلم و لانعمل ولان یکون لی مثل رکعتیک احب الی من کذا و کذا۔	مجھ سے دور ہو مجھے تکلیف نہ دے۔ تم ایک گروہ ہو جو عمل کرتے ہو اور نہیں جانتے اور ہم ایک گروہ ہیں جو جانتے ہیں اور عمل نہیں کرتے۔ میرے لیے تیری ان دو رکعتوں کی مانند ہونا اس سے پسندیدہ تر ہے کہ میرے واسطے فلاں فلاں چیز ہو۔

پس میت نے اس شخص کا تکیہ لگانا اور نماز پڑھنا معلوم کر لیا۔

ابن ابی الدنیا نے کہا کہ بیان کیا مجھ کو حسین بن علی عجلی نے کہ بیان کیا ہم کو محمد بن الصلت نے کہ بیان کیا ہم کو اسماعیل بن عیاش نے ثابت بن سلیم سے کہ بیان کیا ہم کو ابو قلابہ نے کہ:

میں شام سے بصرہ کو آیا ایک منزل پر اترا اور وضو کر کے رات کو دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر میں ایک قبر پر اپنا سر رکھ کر سو گیا۔ پھر میں اٹھا کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب قبر مجھ سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے تو نے مجھے رات سے اذیت دی۔ پھر اس نے کہا کہ تم عمل کرتے ہو اور جانتے نہیں اور ہم جانتے ہیں مگر عمل پر قادر نہیں۔ پھر کہا کہ تو نے جو دو رکعتیں پڑھیں وہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ پھر کہا اللہ دنیا والوں کو نیک

(۱) اس کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔ مگر ابن اساس کی جگہ علامہ سیوطی نے ابن میناء لکھا ہے۔ (شرح الصدور، ص ۸۴)

جزا دے۔ ہماری طرف سے ان کو سلام کہنا۔ کیونکہ ان کی دعا سے ہم پر پہاڑوں کی مانند نور آتا ہے۔

اور بیان کیا ہم کو حسین عجلی نے کہ بیان کیا ہم کو عبداللہ بن نمیر نے کہ بیان کیا ہم کو مالک بن مغول نے منصور سے اس نے زید بن وہب سے کہ کہا میں قبرستان کی طرف نکلا اور وہاں بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک شخص ایک قبر کی طرف آیا اور اس کو درست کیا۔ پھر میرے پاس آ بیٹھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ایک بھائی کی ہے' میں نے کہا تیرے بھائی کی ہے؟ وہ بولا میرے ایک دینی بھائی کی ہے جسے میں نے خواب میں دیکھا اور کہا اے فلاں تو زندہ ہے۔ میں نے کہا الحمد للہ رب العالمین۔ اس میت نے کہا تو نے یہ آیت پڑھی۔ اس پر قادر ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ پھر کہا کیا تو نے نہیں دیکھا جہاں وہ مجھے دفن کرتے تھے' فلاں شخص نے وہاں دو رکعتیں پڑھیں۔ میرے نزدیک ان دو رکعتوں پر قادر ہونا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

اور بیان کیا مجھ کو ابو بکر تیمی نے کہ بیان کیا ہم کو عبداللہ بن صالح نے کہ بیان کیا مجھ کو لیث بن سعد نے کہ بیان کیا مجھ کو حمید طویل نے مطرف بن عبداللہ حرشی سے کہ فرمایا ہم ربیع کی طرف اس کے زمانے میں نکلے ہم نے کہا کہ ہم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنے کے لیے داخل ہوں گے اور ہمارا راستہ قبرستان میں سے تھا۔ پس ہم قبرستان میں داخل ہوئے۔ میں نے وہاں ایک جنازہ دیکھا۔ میں اس میں حاضر ہونے کو غنیمت سمجھ کر حاضر ہو گیا۔ پھر میں قبر کے قریب ایک طرف کو الگ ہو گیا۔ اور میں نے جلدی دو رکعتیں پڑھیں جن کے طریق ادا سے میں راضی نہ ہوا اور مجھے اونگھ آ گئی' پس میں نے صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور کہتا ہے تو نے دو رکعتیں پڑھیں جن کے طریق سے تو راضی نہ ہوا۔ میں نے کہا بے شک ایسا ہی ہوا۔ وہ بولا تم عمل کرتے ہو اور جانتے نہیں۔ اور ہم عمل نہیں کر سکتے۔ تیری طرح اگر

میں دو رکعتیں پڑھ سکوں تو یہ مجھے تمام دنیا سے پسندیدہ تر ہے۔

میں نے کہا یہاں کون ہیں؟ وہ بولا سب مسلمان ہیں اور سب کو نیک بدلہ ملا ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہاں سب میں افضل کون ہے؟ اس نے ایک قبر کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا اے اللہ ہمارے پروردگار اسے میری طرف نکال کہ اس سے بات کر لوں۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ایک نوجوان اس قبر سے نکلا۔ میں نے کہا کیا یہاں سب سے افضل تو ہے؟ وہ بولا بے شک ایسا ہی کہتے ہیں۔ میں نے پوچھا کس چیز سے تو نے یہ درجہ پایا۔ اللہ کی قسم میں تیری اتنی عمر نہیں دیکھتا کہ کہوں تجھے یہ درجہ بہت حج و عمرہ اور جہاد فی سبیل اللہ اور عمل کرنے سے ملا ہے۔ وہ بولا میں مصیبتوں میں مبتلا ہوا۔ پس مجھے خدا نے صبر عطا فرمایا۔ اس لیے ان سب سے بڑھ گیا۔

اگرچہ فقط ان خوابوں سے امر زیر بحث ثابت نہیں ہو سکتا مگر یہ خواب باوجود کثیر و بے شمار ہونے کے علم و کلام موتے پر متفق ہیں اور حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

ارى رؤياكم قد تواطات على انها في العشر الاواخر۔ — میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب اس بات پر متفق ہوگئے کہ لیلۃ القدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہے۔

پس جب مومنوں کے خواب کسی امر پر متفق ہوں تو یہ اتفاق ایسا ہے جیسا کہ ان کی روایتیں کسی امر پر متفق ہوں، اور جیسا کہ کسی امر کو اچھا یا برا جاننے پر ان کی رائیں متفق ہوں "اور جس امر کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے اور جس کو برا جانیں وہ اللہ کے ہاں بھی برا ہے"۔

علاوہ ازیں ہم اپنے مدعا کو فقط رؤیا سے ثابت نہیں کرتے بلکہ ان دلائل وغیرہ سے جو مذکور ہوئے۔ اور حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ مردہ دفن ہونے کے بعد

جنازے کے ہمراہیوں سے انس و آرام پاتا ہے۔ چنانچہ مسلم میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے نزع کی حالت میں اپنے بیٹے سے وصیت کی کہ جس وقت میں مرجاؤں کوئی نوحہ کرنے والی عورت میرے جنازے کے ساتھ نہ ہو اور نہ آگ ہو۔ جب تم مجھے دفن کر لو تو مجھ پر نرمی سے تھوڑی تھوڑی مٹی ڈالو۔ پھر میری قبر کے گرد اتنا ٹھہرو کہ جتنی دیر میں اونٹنی ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس و آرام پاؤں اور جان لوں کہ اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مردہ اپنی قبر کے پاس حاضرین سے انس و آرام پاتا ہے اور ان سے خوش ہوتا ہے۔

اور سلف کی ایک جماعت کی نسبت مذکور ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے وقت ہماری قبروں کے پاس قرآن پڑھا جائے۔

حافظ عبدالحق اشبیلی نے کہا کہ روایت ہے کہ "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میری قبر پر سورہ بقرہ پڑھی جائے۔ اور جن عالموں نے قبر پر قراءت کو پسند فرمایا ان میں سے حضرت علی بن عبدالرحمٰن ہیں"۔

امام احمد (متوفی ۲۴۱ھ) پہلے اس سے انکار کرتے تھے کیونکہ ان کو اس بارے میں کوئی حدیث نہ پہنچی تھی۔ پھر آپ نے اس سے رجوع فرمایا اور امام ابوبکر احمد بن محمد خلال بغدادی حنبلی (متوفی ۳۱۱ھ) نے اپنی جامع (لعلوم الامام احمد بن حنبل) کتاب القراۃ عندالقبور میں فرمایا کہ "خبر دی ہم کو عباس بن محمد الدوری نے کہ بیان کیا ہم کو یحییٰ بن معین نے کہ بیان کیا ہم کو مبشر حلبی (متوفی ۲۰۰ھ) نے کہ بیان کیا مجھ کو عبدالرحمٰن بن ابی العلاء بن اللجلاج نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے باپ (ابوالعلاء) نے کہا "جب میں مرجاؤں تو مجھے لحد میں رکھ دینا اور کہنا بسم اللہ و علی سنۃ رسول اللہ اور نرمی سے تھوڑی تھوڑی مٹی مجھ پر ڈالنا اور میرے سرہانے سورۂ بقرہ اول و آخر کی آیتیں پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو اسی طرح کہتے سنا ہے"۔

عباس الدوری نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ کو قبر پر قراءت کے بارے میں کوئی حدیث یاد ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ نہیں۔ اور میں نے یحییٰ بن معین سے پوچھا تو انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی۔ خلال نے کہا کہ خبر دی مجھ کو حسن بن احمد وراق نے کہ بیان کیا مجھ کو علی بن موسیٰ حداد نے اور وہ بڑا سچ بولنے والا تھا کہ میں ایک جنازے میں امام احمد بن حنبل اور محمد بن قدامہ جوہری کے ساتھ تھا۔ جب میت کو دفن کر چکے تو ایک نابینا شخص قبر پر قرآن پڑھنے لگا۔ امام احمد نے فرمایا اے فلاں قبر پر قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم قبرستان سے نکل آئے تو محمد بن قدامہ نے امام احمد بن حنبل سے کہا اے ابو عبداللہ! مبشر حلبی کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ امام احمد نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے۔ ابن قدامہ نے پوچھا کیا آپ نے اس کی روایت سے کچھ لکھا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ ہاں ابن قدامہ نے کہا کہ خبر دی مجھ کو مبشر نے عبدالرحمٰن بن ابی العلاء بن اللجلاج سے۔ اس نے اپنے باپ (ابو العلاء) سے کہ اس نے وصیت کی کہ جب مجھے دفن کیا جائے تو میرے سرہانے سورۂ بقرہ کی اول و آخر کی آیتیں پڑھی جائیں۔ اور کہا (ابو العلاء نے) کہ میں نے حضرت ابن عمر کو یہی وصیت کرتے سنا ہے۔ پس امام احمد نے امام ابن قدامہ سے فرمایا کہ واپس جاؤ اور اس نابینا سے کہہ دو کہ قبر پر قرآن پڑھے۔ اور حسن بن الصباح الزعفرانی نے بیان کیا کہ میں نے امام شافعی سے قبر پر قرآن پڑھنے کا حکم پوچھا آپ نے فرمایا لا باس بہ (اس کا کچھ ڈر نہیں)

اور خلال نے امام شعبی (علامہ التابعین) کی روایت سے ذکر کیا کہ جب انصار میں کوئی میت ہو جاتی تھی تو وہ اس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھا کرتے تھے۔ حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی نے کہا کہ فضل بن الموفق سے مذکور ہے کہ میں بہت دفعہ اپنے باپ کی قبر پر آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں اس قبرستان میں کہ جہاں میرا باپ مدفون تھا' ایک جنازے کے ساتھ حاضر ہوا پس ایک ضروری کام کے لیے میں نے جلدی کی اور اپنے

باپ کی قبر پر نہ گیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا باپ مجھ سے کہتا ہے بیٹا تو میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ میں نے کہا اے میرے باپ کیا آپ کو معلوم ہو جاتا ہے کہ جب میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں اللہ کی قسم۔ اے بیٹا جب وقت تو پل سے چڑھتا ہے میں نگاہ اٹھا کر تیری طرف دیکھتا رہتا ہوں یہاں تک کہ تو میرے پاس پہنچ جاتا ہے اور میرے پاس بیٹھ جاتا ہے۔ پھر تو اٹھ کر کھڑا ہوتا ہے پس میں تیری طرف دیکھتا رہتا ہوں یہاں تک کہ تو پل سے گزر جاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے کہا کہ مجھ کو بیان کیا ابراہیم بن بشار کوفی نے کہ بیان کیا مجھ کو افضل بن الموفق نے۔ پس وہ قصہ ذکر کیا اور (ابن ابی الدنیا ہی نے کہا کہ) عمرو بن دینار سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

ما من میت یموت الا وھو یعلم ما یکون فی اھلہ بعدہ وانھم لیغسلونہ ویکفنونہ وانہ لینظر الیھم۔	ہر مردہ جانتا ہے جو کچھ اس کے بعد اس کے گھر والوں میں ہو رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اسے غسل دیتے ہیں اور کفن پہناتے ہیں اور وہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔

اور مجاہد سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قبر میں آدمی کو اپنے پیچھے اپنے بیٹے کی نیکی کی بشارت دی جاتی ہے۔

تلقین میت کا عمل بھی جو قدیم سے آج تک جاری ہے سماع موتے پر دلالت کرتا ہے۔ اگر مردہ تلقین کو نہ سنتا ہو اور فائدہ نہ اٹھاتا ہو تو یہ بے فائدہ اور عبث ہے۔ امام احمد سے تلقین میت کا حکم دریافت کیا گیا آپ نے اسے مستحسن فرمایا اور (اہل شام کے) عمل سے حجت پکڑی۔ تلقین کے بارے میں معجم طبرانی میں ایک ضعیف حدیث بروایت ابی امامہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اذا مات احد کم فسویتم	جب تم میں سے کوئی مرجائے اور تم

علیه التراب فلیقم احد کم علی راس قبره ثم یقول یا فلان ابن فلانه فانه یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان ابن فلانه الثانیه فانه یستوی قاعدا ثم لیقل یا فلان ابن فلانه فانه یقول ارشدنا رحمکم الله ولکنکم لا تستمعون فیقول اذکر ما خرجت علیه من الدنیا شهاده ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔

اس پر مٹی ڈال چکو تو تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر یوں کہے اے فلاں بیٹے فلاں عورت کے۔ پس وہ اسے سنتا ہے جواب نہیں دیتا۔ پھر کہے اے فلاں بیٹے فلاں عورت کے۔ پس وہ سیدھا بیٹھ جاتا ہے۔ پھر کہے اے فلاں بیٹے فلاں عورت کے۔ پس وہ کہتا ہے تو ہمیں رہنمائی کر اللہ تجھ پر رحم کرے۔ مگر تم اسے نہیں سنتے۔ پھر کہے تو یاد کر جس پر دنیا سے رخصت ہوا یعنی شہادۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

یہ حدیث اگرچہ ثابت نہیں (۱) مگر تمام شہروں اور زمانوں میں بغیر انکار کے اس کا معمول بہ ہونا اس پر عمل کرنے کے لیے کافی ہے' اور اللہ پاک نے کبھی عادت جاری نہیں کی کہ ایک امت جو زمین کے مشارق و مغارب میں پھیلی ہوئی ہو اور عقل

(۱) مصنف نے زاد المعاد میں یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مرفوع ہونا ثابت نہیں۔ اثرم نے کہا کہ میں نے ابو عبداللہ (یعنی امام احمد بن حنبل) سے تلقین کا حکم پوچھا آپ نے فرمایا کہ میں نے اہل شام کے سوا کسی کو یہ عمل کرتے نہیں دیکھا۔ جب ابو المغیرہ کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے تلقین کی اور ابو المغیرہ ابوبکر بن ابی مریم سے روایت کرتے تھے کہ ان کے شیوخ یہ عمل کیا کرتے تھے۔ اور اسماعیل بن عیاش اس بارے میں حدیث ابی امامہ روایت کیا کرتے تھے جو معجم طبرانی میں ہے اور سعید بن منصور (متوفی ۲۲۷ھ) نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے کہ راشد بن سعد (تابعی متوفی ۱۰۸ھ) اور ضمرہ بن جندب (حبیب؟) اور حکیم بن عمیر (تابعی) نے فرمایا کہ لوگ دفن کے بعد تلقین کو مستحب جانتے تھے۔ (زاد المعاد' جزء اول' بحث تلقین' ص ۱۳۹)

و معرفت میں دیگر امتوں سے کامل اور زیادہ ہو ایسے کو خطاب کرنے پر متفق ہو جائے جو نہ سنتا ہو اور نہ سمجھتا ہو۔ اور اس فعل کو مستحسن کہے اور اس میں سے کوئی بھی برا نہ جانے۔ بلکہ پہلوں نے پچھلوں کے لیے یہ طریق بنا دیا ہو اور پچھلوں نے اس میں پہلوں کی پیروی کی ہو۔ اگر مخاطب نہ سنتا ہو تو یہ خطاب مٹی لکڑی پتھر اور معدوم شے کو خطاب کرنے کی مثل ہوگا اور ایسے خطاب کو اگرچہ ایک شخص مستحسن کہہ دے مگر تمام علماء اسے برا جانتے ہیں۔

اور سنن ابی داؤد میں باسناد لا باس به مروی ہے کہ نبی ﷺ ایک شخص کے جنازے میں حاضر ہوئے۔ جب وہ دفن کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سلوا لاخیکم التثبیت فانه الان یسال۔

تم اپنے بھائی کے لیے ثابت رہنے کی دعا کرو کیونکہ اب اس سے سوال کیا جائے گا۔

پس حضور اقدس ﷺ نے خبر دے دی کہ اس سے اس وقت سوال کیا جائے گا۔ جب اس سے سوال ہوگا تو وہ تلقین کو سنے گا۔ اور حدیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "مردہ جنازے کے ساتھیوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جس وقت وہ واپس آنے کے لیے پیٹھ پھیرتے ہیں" ملخصاً۔ (کتاب الروح' ص ۴ تا ۱۸)

اب ہم علامہ سیوطی کی کتاب شرح الصدور سے اس باب میں چند اور احادیث نقل کرتے ہیں۔

ابو الشیخ یعنی ابن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) نے عبید (۱) بن ابی مرزوق کی حدیث مرسل کو نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عورت تھی جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہوگیا مگر نبی ﷺ کو اس کی موت کی خبر نہ ہوئی۔ پس آپ

(۱) یہ مرسل حدیثیں روایت کرتے ہیں۔ ابن عیینہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ (لسان المیزان)

اس کی قبر سے گزرے اور فرمانے لگے یہ کس کی قبر ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ ام محجن کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ پس لوگوں نے صف باندھی اور آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر یوں خطاب فرمایا تو نے کون سا عمل افضل پایا؟ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ کیا وہ سنتی ہے؟ حضور نے فرمایا تم اس سے زیادہ سننے والے نہیں۔ پھر آپ نے ذکر فرمایا کہ اس نے جواب دیا ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینا افضل ہے"۔(ص ۳۸)

حاکم و بیہقی نے بروایت ابو ہریرہ نقل کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ احد سے واپس ہوئے تو حضرت مصعب بن عمیر اور دیگر شہداء کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

اشهد انکم احياء عندالله فزوروهم وسلموا عليهم فوالذی نفسی بيده لا يسلم عليهم احد الاردوا عليه الی يوم القيامه۔(۱)

میں شہادت دیتا ہوں کہ تم اللہ کے پاس زندہ ہو۔ پس تم اے صحابہ ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کہا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ قیامت کے دن تک جو ان کو سلام کہے گا وہ اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

(۱) وفاء الوفا للسمہودی جزء ثانی ص ۱۱۱ (نیز دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ، جزء ثالث، ص ۹۷) میں ہے:

روی ابن شبه عن ابن عمر انه قال من مر علی هولاء الشهداء فسلم عليهم لم يزالو يردون عليه الی يوم القيامه۔

ابن شبہ نے روایت کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص ان شہیدوں کے پاس سے گزرے اور ان کو سلام کہے تو وہ قیامت کے دن تک سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

فائدہ: عمر بن شبہ (متوفی ۲۶۳ھ) کی ثقاہت پر ابن ابی حاتم اور دار قطنی، ابن حبان، خطیب، مرزبانی، مسلمہ اور محمد بن سہل کا اتفاق ہے۔ (دیکھو تہذیب التہذیب اور تقریب التہذیب) وفات کے وقت آپ کی عمر نوے سال سے زائد تھی۔ کتاب اخبار المدینہ آپ کی تصنیف ہے۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حاکم نے مع تصحیح اور بیہقی نے دلائل میں عطاف بن خالد مخزومی کے طریق سے نقل کیا کہ کہا عطاف نے حدیث بیان کی(۱) مجھ کو عبدالاعلی بن عبداللہ بن ابی بکر نے (اپنے باپ) عبداللہ سے کہ نبی ﷺ نے شہدائے احد کی زیارت کی اور فرمایا:

اللهم ان عبدك ونبيك يشهد ان هولاء شهداء وان من زارهم اوسلم عليهم الی يوم القيامه ردوا عليه۔

یااللہ تیرا بندہ اور تیرا پیغمبر شہادت دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں۔ قیامت کے دن تک جو ان کی زیارت کرے گا یا ان کو سلام کہے گا وہ اس کا جواب دیں گے۔

اور عطاف نے کہا کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ:

میں شہدائے احد کی زیارت کو گئی۔ میرے ساتھ صرف دو غلام تھے جو میری سواری کو پکڑے ہوئے تھے۔ میں نے شہیدوں کو سلام کہا پس میں نے سلام کا جواب اور یہ قول سنا:

والله انا نعرفکم کما يعرف بعضنا بعضا۔

اللہ کی قسم ہم تم کو یوں پہچانتے ہیں جیسا کہ تم میں سے ایک دوسرے کو پہچان لیتا ہے۔

میری خالہ بیان کرتی ہیں کہ یہ سن کر خوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے غلام سے کہا کہ خچر لاؤ۔ پس میں سوار ہو گئی۔ اور ابن ابی الدنیا نے کتاب "من عاش بعد الموت" میں اور بیہقی نے دلائل میں بروایت عطاف بن خالد نقل کیا(۲) کہ میری خالہ نے مجھ سے بیان کیا کہ "میں شہدائے احد کی زیارت کو آیا کرتی تھی۔ ایک روز سوار ہو کر آئی تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر کے

(۱) وفاء الوفاء، جزء ثانی، ص ۱۱۳۔

(۲) وفاء الوفا، جز ثانی، ص ۱۱۲۔

پاس اتر گئی۔ پھر میں نے وہیں نماز پڑھی۔ اس وقت اس جنگل میں کوئی پکارنے والا اور جواب دینے والا نہ تھا۔ میں نے نماز سے فارغ ہو کر کہا السلام علیکم۔ پس میں نے سلام کا جواب زمین کے نیچے سے نکلتا سنا۔ میں اسے ایسا پہچانتا ہوں جیسا یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جیسا رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔ یہ سن کر میرے بدن کا ہر رونگٹا کھڑا ہو گیا۔

بیہقی نے بروایت واقدی نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ (۱) ہر سال شہدائے احد کی زیارت کیا کرتے تھے۔ جب آپ شعب میں پہنچتے تو باآواز بلند فرماتے:

سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔

تم پر سلام بدلے اس کے کہ تم ثابت رہے پس خوب ملا پچھلا گھر۔

پھر حضرت ابوبکر ؓ بھی ہر سال ایسا ہی کرتے رہے۔ پھر حضرت عمر بن الخطاب اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما بھی ہر سال اسی طرح کرتے رہے اور حضرت فاطمہ (۲) بنت رسول اللہ ﷺ ان کی زیارت کو آتیں اور دعا فرماتیں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص ان کو سلام کہتے۔ پھر اپنے یاروں سے فرماتے کہ تم ایسے لوگوں کو

(۱) اس حدیث کو علامہ سمہودی نے یوں نقل کیا ہے: روی ابن شبہ عن عباد بن ابی صالح ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یاتی قبور الشہداء باحد علی راس کل حول۔ الحدیث۔ اس روایت میں حضرت عثمان ؓ کے ذکر کے بعد مذکور ہے کہ جب حضرت معاویہ بن ابی سفیان حج کرنے آئے تو وہ بھی شہداء احد کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ (وفاء الوفاء، جزء ثانی، ص ۱۱۳)

(۲) وفاء الوفاء، جز ثانی، ص ۱۱۳ میں ہے:

عن ابی جعفر ان فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت تزور قبر حمزہ رضی اللہ عنہ ترمہ وتصلحہ وقد تعلمتہ بحجر۔

حضرت ابو جعفر سے روایت ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ ؓ کی قبر مبارک کی زیارت کیا کرتی تھیں۔ اسے مرمت کرتیں اور سنوارتیں اور ایک پتھر کے نشان سے اسے معلوم کرتیں۔

سلام کیوں نہیں کہتے جو تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

اور حضرت فاطمہ خزاعیہ بیان کرتی ہیں کہ "مجھے شہدائے احد کی قبروں میں سورج غروب ہو گیا اور میرے ساتھ میری بہن تھی۔ میں نے اس سے کہا آؤ حضرت حمزہ ؓ کی قبر پر سلام عرض کریں۔ وہ بولی اچھا۔ پس ہم آپ کی قبر مبارک پر ٹھہر گئیں۔ اس وقت وہاں کوئی انسان نہ تھا۔ ہم نے یوں سلام عرض کیا: السلام علیک یا عم رسول اللہ (اے رسول اللہ کے چچا آپ پر سلام) ہم نے اس کے جواب میں سنا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔

اور بیہقی نے کہا کہ خبر دی ہم کو حافظ ابو عبداللہ نے کہ سنا میں نے ابو علی حمزہ بن محمد علوی کو کہ سنا میں نے ہاشم بن محمد عمری کو کہتے تھے میرے والد مجھے مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن طلوع فجر اور سورج کے درمیان شہیدوں کی قبروں کی زیارت کو لے گئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا۔ جب ہم مقبروں کے پاس پہنچے تو میرے والد نے باآواز بلند کہا سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار (تم پر سلام بدلے اس کے کہ تم ثابت رہے پس خوب ملا پچھلا گھر) جواب آیا وعلیک السلام یا ابا عبداللہ میرے والد نے میری طرف دیکھ کر کہا بیٹا! کیا تو نے جواب دیا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ پس آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے دائیں طرف کر لیا اور ان کو دوسری بار سلام کہا۔ اس دفعہ بھی سلام کا جواب آیا۔ یہاں تک کہ تیسری دفعہ بھی ایسا ہی ہوا۔ پس میرے والد سجدۂ شکر میں گر پڑے۔ بوجہ انحصار ہم یہاں زیادہ بیان نہیں کر سکتے۔ (شرح الصدور، باب زیارۃ القبور، و علم الموتی بزوارھم)

شیخ الاسلام علامہ سمہودی تحریر فرماتے ہیں:

انا نعتقد ثبوت الادراکات کالعلم والسماع لسائر الموتی فضلا عن الانبیاء و نقطع بعود الحیاہ لکل میت فی قبرہ کما ثبت فی السنہ ولم

يثبت انه يموت بعد ذلك موته ثانيه بل ثبت نعيم القبر وعذابه وادراك ذلك من الاعراض المشروطه بالحياه لكن يكفى فيه حياه جزء يقع به الادراك فلا يتوقف على البنيه كما زعم المعتزله۔

(وفاء الوفاء' جزء ثانی' ص ۴۰۷)

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ ادراکات مثل علم اور سماع کے تمام موتی (انبیاء کا تو کیا ذکر) کے لیے ثابت ہیں اور ہمیں قطعاً معلوم ہے کہ ہر میت کے لیے قبر میں حیات عود کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور یہ ثابت نہیں کہ اس کے بعد دوسری بار موت آتی ہے بلکہ قبر کا عذاب و نعیم ثابت ہے۔ اور اس کا ادراک ان اعراض میں سے ہے جن کے لیے حیات شرط ہے لیکن اس میں ایک جزو کی حیات کافی ہے کہ جس سے ادراک ہو سکے۔ پس یہ ادراک بدن پر موقوف نہیں جیسا کہ معتزلہ نے گمان کیا ہے۔

اسی کے مطابق شیخ عبدالحق دہلوی نے بدیں الفاظ تحریر فرمایا ہے "بدانکہ تمامہ اہل سنت و جماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم و سمع مر سائر اموات را از احاد بشر خصوصاً انبیاء علیہم السلام' و قطع میکنیم بعود حیات مر ہر میت را در قبر چنانکہ در احادیث ورود یافتہ است۔ و وارد شدہ کہ بعد از عود حیات در قبر بار دیگر موت عود مے کند بلکہ نعیم قبر و عذاب آنرا تا قیام قیامت ادراک مے کند"۔

(جذب القلوب' مطبوعہ کلکتہ' ص ۲۸۵)

سوال

جب ہم کسی مسلمان کی قبر پر جا کر سلام و کلام عرض کرتے ہیں تو وہ کس طرح سنتا اور جواب دیتا ہے۔ کیا اس کی روح سنتی ہے اور جواب دیتی ہے یا اس کا بدن یا

دونوں؟

جواب

زندگی کی حالت میں سماع روح کا کام ہوتا ہے اور بدن فقط آلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیم نے یوں لکھا ہے:

فالنفس هى الحاسه المدركه و ان لم تكن محسوسه فالاجسام والاعراض محسوسه والنفس محسه بها وهى القابله لاعراضها المتعاقبه عليها من الفضائل و الرذائل كقبول الاجرام لاعراضها المتعاقبه عليها وهى المتحركه باختيارها المحركه للبدن قسرا وقهرا وهى موثره فى البدن متاثره به تالم وتلذ وتفرح وتحزن وترضى و تغضب و تنعم و تياس و تحب و تكره وتذكر و تنسى و تصعد و تنزل و تعرف و تنكرو آثارها ادل الدلائل على وجودها كما ان آثار الخالق سبحانه داله على وجوده و على كماله فان دلاله الاثر على موثره ضروريه وتاثيرات النفوس بعضها فى بعض امر لا ينكره ذوحس سليم ولا عقل مستقيم ولا سيما عند تجردها نوع تجرد عن العلائق والعوائق البدنيه فان قواها تتضاعف و تتزايد بحسب ذلك ولا سيما عند مخالفه هواها و حملها على الاخلاق العاليه من العفه و الشجاعه و العدل و السخاء و تجنبها سفساف

الاخلاق ورذائلها وسافلها- (کتاب الروح' ص ۳۳۸)

روح ہی احساس و ادراک کرنے والی ہے اگرچہ خود محسوس نہیں ہوتی۔ پس اجسام اور اعراض محسوس ہیں اور روح ان کو احساس کرنے والی ہے اور روح ہی ان فضائل و رذائل کو قبول کرنے والی ہے جو اس پر پے در پے آتے ہیں جیسا کہ اجسام ان اعراض کو قبول کرنے والے ہیں جو ان پر پے در پے آتے ہیں' اور روح ہی اپنے اختیار سے متحرک اور بدن کو بزور و قہر حرکت دینے والی ہے' اور روح ہی بدن میں موثر اور بدن سے متاثر ہونے والی ہے' اور الم و لذت پاتی ہے' اور خوش و غمگین ہوتی ہے' اور راضی اور غصے ہوتی ہے' اور راحت و رنج اٹھاتی ہے' اور پسند و ناپسند کرتی ہے' اور یاد و فراموش کرتی ہے' اور چڑھتی اور اترتی ہے' اور شناسا و ناآشنا ہوتی ہے' اور اس کے آثار اس کے وجود پر سب سے بڑی دلیل ہیں جیسا کہ خالق سبحانہ کے آثار اس کے وجود اور کمال پر دلالت کرنے والے ہیں کیونکہ اثر کی دلالت موثر پر ضروری ہے۔ اور روحوں کی ایک دوسرے میں تاثیریں ایسی ہیں کہ حس سلیم اور عقل مستقیم ان سے بالخصوص علائق و عوائق بدنیہ سے ایک طرح کے تجرد کے وقت انکار نہیں کر سکتی۔ کیونکہ روحوں کے قویٰ تجرد کے مطابق بڑھ جاتے ہیں خصوصاً جبکہ وہ اپنی خواہشوں کی مخالفت کریں اور عالی اخلاق یعنی عفت اور شجاعت اور عدل اور سخاوت کو اختیار کریں۔ اور ذلیل و حقیر و پست اخلاق سے بچیں۔

اس بیان سے معلوم ہوا کہ روح کو جس قدر تجرد ہوگا اتنے ہی اس کے قویٰ ترقی کریں گے۔ اسی واسطے جب موت سے روح کو کمال تجرد حاصل ہو جاتا ہے تو اس کے قویٰ میں حیرت انگیز ترقی ہو جاتی ہے۔ ابن حزم ظاہری نے لکھا ہے کہ موت کے

بعد روح کا ادراک پہلے سے زیادہ صحیح اور اس کا علم پہلے سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور اس کی حیات جو حس و حرکت ارادیہ ہے وہ بدستور پہلے سے اکمل حالت میں باقی رہتی ہے۔ جیسا کہ پہلے آ چکا ہے۔ پس موت کے بعد روح کی قوت سمع حالت حیات سے نہایت زیادہ ہوتی ہے۔ اس سے انکار کرنا محض مکابرہ ہے۔ ہاں بدن یا بعض اجزاء بدن سے روح کو ایک طرح کا تعلق رہتا ہے جس کی کیفیت بیان نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عادت جاری کر دی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی قبر پر جا کر سلام و کلام عرض کرتا ہے تو اس کی روح خواہ اعلیٰ علیین میں ہو اس تعلق و اتصال کے سبب اسے سن لیتی ہے اور جواب دیتی ہے۔ سماع موتے سے یہی ہماری مراد ہے۔ انبیاء کرام اور شہدائے عظام چونکہ زندہ بہ حیات جسمانی ہیں اس لیے ان کی روحیں بوساطت بدن سنتی اور جواب دیتی ہیں۔

چنانچہ علامہ زرقانی (شرح مواہب لدنیہ' مقصد عاشر' فصل ثانی فی زیارۃ قبرہ الشریف' جزء ثامن' ص ۳۰۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

الرد من الانبياء رد حقيقي بالروح والجسد بجملته ولا كذلك الرد من غير الانبياء والشهداء فليس بحقيقي وانما هو بواسطه التمكن من الرد مع كون ارواحهم ليست في اجسادهم و سواء الجمعه و غيرها على الاصح لكن لا مانع ان الاتصال في الجمعه و اليومين المكتنفين به اقوى من الاتصال في غيرها من الايام.

سلام کا جواب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف سے حقیقی ہے جو روح اور بدن دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور انبیاء و شہداء کے سوا اور مومنوں کی طرف سے (عموماً) ایسا نہیں۔ کیونکہ وہ حقیقی نہیں بلکہ تو وہ

جسم کے ساتھ روح کے اتصال کے باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ روح و جسم کے درمیان ایک اتصال ہوتا ہے جس کے باعث مومن سلام کا جواب دینے پر قادر ہوتے ہیں اگرچہ ان کی روحیں ان کے بدنوں میں نہیں ہوتیں۔ اور بنا بر قول اصح جمعہ وغیرہ سب دن برابر ہیں لیکن اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ یہ اتصال جمعہ کے دن اور جمعہ سے ایک دن آگے اور ایک دن پیچھے اور دنوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

اور یہاں اتنا اور کہہ دینا کافی ہے کہ قبر میں اعادہ روح کے وقت ہر میت کا سننا اور جواب دینا روح اور بدن دونوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

سوال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سماع موتی سے انکار کرتی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری (کتاب المغازی) میں ہے:

عن ابن عمر قال وقف النبی صلی اللہ علیه وسلم علی قلیب بدر فقال هل وجدتم ما وعد ربکم حقا ثم قال انهم الان یسمعون ما اقول فذکر لعائشه فقالت انما قال النبی صلی اللہ علیه وسلم انهم الان لیعلمون ان الذی کنت اقول لهم هوالحق ثم قراءت انک لا تسمع الموتی حتی قراءت الایه۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بدر کے کنوئیں پر ٹھہر گئے اور فرمایا کیا تم نے سچ پایا جو تم سے تمہارے رب نے وعدہ کیا تھا۔ پھر فرمایا بے شک اب وہ سنتے ہیں جو میں کہتا ہوں۔ یہ حدیث ابن عمر جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ذکر کی گئی تو

آپ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے تو یوں فرمایا تھا کہ اب وہ بے شک جانتے ہیں کہ جو کچھ میں ان سے کہتا تھا وہ درست ہے۔ پھر حضرت صدیقہ نے یہ آیت پڑھی انک لا تسمع الموتی۔ آخر تک۔

جواب

حضرت ابن عمر اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہما ہر دو حاضر موقعہ نہ تھے۔ اگرچہ دیگر صحابہ کرام کی روایتیں حضرت ابن عمر کی روایت کے موافق ہیں اور ان میں سے بعضے مثلاً حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہم اس موقع پر حاضر بھی تھے۔ مگر چونکہ صحابی کی حدیث مرسل مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے اس لیے محض حضور و غیبت کی بنا پر ہم ایک روایت کو دوسری پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ توضیح مطلب کے لیے دو اور روایتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں۔

۱- عن ابی طلحه ان نبی اللہ صلی اللہ علیه وسلم امر یوم بدر باربعه و عشرین رجلا من صنادید قریش فقذفوا فی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث و کان اذا ظهر علی قوم اقام بالعرصه ثلاث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلته فشد علیها رحلها ثم مشی و اتبعه اصحابه و قالوا مانری ینطلق الا لبعض حاجته حتی قام علی شفه الرکی فجعل ینادیهم باسمائهم و اسماء آبائهم یا فلان بن فلان و یا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ و رسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قال فقال عمر یا رسول اللہ ما

تکلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی نفس محمد بیده ماانتم باسمع لما اقول منهم قال قتاده احیاهم الله حتی اسمعهم قوله توبیخا وتصغیرا ونقمه وحسره وندما۔ (صحیح بخاری' کتاب المغازی)

حضرت ابوطلحہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن سرداران قریش میں سے چوبیس کے لیے حکم دیا پس وہ بدر کے کنوؤں میں سے ایک پلید و پلید کنندہ کنوئیں میں ڈال دیے گئے۔ جب حضور اقدس ﷺ کسی قوم پر غالب آتے تو میدان جنگ میں تین روز قیام فرمایا کرتے۔ لہٰذا جب بدر میں آپ کو تیسرا روز ہوا تو سواری پر کجاوہ باندھنے کا حکم دیا۔ پس کجاوہ کس دیا گیا۔ پھر آپ روانہ ہوئے اور آپ کے اصحاب آپ کے پیچھے چلے اور کہنے لگے ہمارے خیال میں تو حضور کسی حاجت کے لیے چلے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ اس کنوئیں کے کنارے پر کھڑے ہوگئے اور ان مردوں کو ان کے نام اور ان کے باپ دادوں کے نام لے کر یوں پکارنے لگے اے فلاں بیٹے فلاں کے' اے فلاں بیٹے فلاں کے کیا تم اس بات سے خوش ہو کہ تم خدا و رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے' بے شک ہم نے تو راست و درست پایا جو اللہ نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ آپ ان جسموں سے کیا باتیں کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ حضرت قتادہ نے (جو اس حدیث

کے راویوں میں سے ہیں) کہا کہ اللہ نے ان کو زندہ کر دیا یہاں تک کہ ان کو آپ کا قول سنا دیا تاکہ ان کو سرزنش ذلت نقمت اور حسرت و ندامت ہو۔

۲- حدثنا عبدالله حدثنی ابی ثنا عفان ثنا حماد عن ثابت عن انس ان رسول الله صلی الله علیه وسلم ترک قتلی بدر ثلاثه ایام حتی جیفوا ثم اتاهم فقام علیهم فقال یا امیه بن خلف یا اباجهل بن هشام یا عتبه بن ربیعه یا شیبه بن ربیعه هل وجدتم ماوعدکم ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا قال فسمع عمر صوته فقال یارسول الله اتنادیهم بعد ثلاث و هل یسمعون یقول الله عزوجل انک لاتسمع الموتی فقال والذی نفسی بیده ما انتم باسمع منهم و لکنهم لایستطیعون ان یجیبوا۔

حدیث بیان کی ہم کو عبداللہ نے کہ حدیث بیان کی مجھ کو میرے باپ نے کہ حدیث بیان کی ہم کو عفان نے کہ حدیث بیان کی ہم کو حماد نے ثابت سے اور ثابت نے حضرت انس سے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقتولوں کو تین دن پڑا رہنے دیا یہاں تک کہ وہ مردار بن گئے۔ پھر آپ ان کے پاس تشریف لائے اور کھڑے ہو کر یوں خطاب فرمایا اے امیہ بن خلف' اے ابوجہل بن ہشام' اے عتبہ بن ربیعہ' اے شیبہ بن ربیعہ' کیا تم نے سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا کیونکہ میں نے راست و درست پایا جو میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی یہ آواز سن کر عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ تین دن کے بعد ان کو پکارتے ہیں اور کیا وہ سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے "تحقیق تو نہیں سنا سکتا مردوں کو" آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

(مسند امام احمد بن حنبل، جزء ثالث، ص ۲۸۷)

روایات بالا سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آیت میں موتے کو اس کے حقیقی معنی یعنی مردہ بدن پر محمول فرماتی ہیں۔ لہٰذا گوش بدن کے ساتھ سماع سے انکار کرتی ہیں۔ بنا بریں روایت ابن عمر میں حضرت صدیقہ کے قول میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ آپ نے حدیث میں تاویل کی۔ جس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت وہ کفار مردہ نہ تھے بلکہ بوجہ اعادۂ روح زندہ تھے جیسا کہ حضرت قتادہ کے قول سے ظاہر ہے اس لیے وہ اس وقت گوش بدن کے ساتھ سن رہے تھے، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو روایت لیعلمون کسی دوسرے صحابی سے پہنچی۔ اس صورت میں بھی یہ روایت حضرت ابن عمر کی روایت کے منافی نہیں کیونکہ علم عموماً سماع کے بعد حاصل ہوا کرتا ہے۔ مگر حضرت صدیقہ نے اسے آیت قرآنی کے منافی خیال کر کے راوی کی غلطی پر محمول فرمایا اور لیعلمون کو صحیح تصور کیا کیونکہ علم روح کا وصف ہے لیکن اس اجتہاد میں وہ مصیب نہ تھیں۔ کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیقہ والی دلیل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی جیسا کہ روایت ابوطلحہ اور روایت انس سے ظاہر ہے تو حضور نے قسم کھا کر فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ یعنی جس طرح تم گوش بدن سے سنتے ہو اسی طرح وہ بھی گوش بدن سے سن رہے ہیں مگر وہ ایسا جواب نہیں دے سکتے کہ جسے جن و انس سنیں۔ حضرت ابن عمر کی روایت

میں سماع کے ساتھ جو الان (اب) کی قید ہے اس سے پایا جاتا ہے کہ وہ وقت ان کفار کے سوال کا تھا۔

کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ مردے موت کے بعد سات روز تک ابتلاء میں رہتے ہیں۔ چنانچہ حیوۃ الحیوان للدمیری (جزء ثانی، ص ۴۷) میں ہے:

روی احمد عن طاوس فی کتاب الزهد انه قال ان الموتی یفتنون فی قبورهم سبعة ایام فکانوا یستحبون ان یطعم عنهم تلک الایام۔

امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت طاؤس(۱) سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مردے سات دن اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں۔ اس لیے صحابہ کرام سات دن میت کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب جانتے تھے۔

امام نووی شافعی حدیث زیر بحث کے تحت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

قال المازری قال بعض الناس المیت یسمع عملا بظاهر هذا الحدیث ثم انکره المازری وادعی ان هذا خاص فی هولاء ورد علیه القاضی عیاض و قال یحمل سماعهم علی ما یحمل علیه سماع الموتی فی احادیث عذاب القبر و فتنه التی لا مدفع لها وذلک باحیائهم او احیاء جزء منهم یعقلون به و یسمعون فی الوقت الذی یرید الله۔ هذا کلام القاضی و هوالظاهر المختار الذی تقتضیه احادیث السلام علی القبور۔ والله اعلم۔

---

(۱) حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں۔ ۱۰۶ھ میں یوم ترویہ سے ایک روز پہلے مکہ مشرفہ میں بحالت حج آپ نے انتقال فرمایا۔ آپ نے چالیس حج کیے اور مستجاب الدعوات تھے۔

مازری نے کہا کہ اس حدیث کے ظاہر پر عمل کر کے بعض لوگوں نے کہا کہ مردہ سنتا ہے۔ پھر مازری نے اس سے انکار کر دیا اور دعویٰ کیا کہ یہ سننا ان کفار سے خاص تھا۔ اور قاضی عیاض (متوفی ۵۴۴ھ) نے مازری کی تردید کی اور کہا کہ ان کفار کا سننا اسی پر محمول ہوگا کہ جس پر سماع موتے عذاب قبر اور اہل فتنہ قبر کی حدیثوں میں محمول ہوتا ہے' اور قبر میں سننا مردوں کے زندہ کرنے یا ان کے کسی جزء کے زندہ کرنے سے ہوتا ہے جس سے وہ سمجھ لیتے ہیں اور سن لیتے ہیں جس وقت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ یہ قاضی کا کلام ہے اور یہی ظاہر و مختار ہے جسے قبروں پر سلام کی حدیثیں چاہتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

(شرح مسلم للنووی' مطبوعہ انصاری دہلی' جلد ثانی' ص ۳۸۷)

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ کا قول بالکل درست ہے۔ پس تقریر بالا سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اگر انکار تھا تو سماع جسمانی سے جو گوش بدن کے ساتھ ہو ورنہ روح کے سماع سے تو کسی کو بھی کسی وقت انکار نہیں۔ خود حضرت صدیقہ سماع روحانی کے ثابت کرنے والی حدیثیں روایت فرماتی ہیں۔ چنانچہ آپ کی روایت سے یہ حدیث پہلے آ چکی ہے کہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر کی زیارت کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے تو اس سے میت کا دل بہلتا ہے اور جب تک وہاں سے اٹھے' مردہ اس کا جواب دیتا ہے۔ اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ سے میری شب نوبت ہوتی تو حضور رات کے اخیر حصے میں بقیع کی طرف نکل جاتے اور وہاں پہنچ کر یوں خطاب فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین۔ — سلام تم پر اے مومن گھر والو۔

علاوہ ازیں ترمذی شریف میں ابن ابی ملیکہ تابعی کی روایت سے مذکور ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کا انتقال مقام حبشی(۱) میں ہوا تو ان کو مکہ معظمہ میں لا کر جنت المعلیٰ میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ میں حج کو آئیں تو اپنے بھائی کی قبر پر زیارت کو گئیں اور وہاں تمیم بن نویرہ کے دو شعر (جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہتے تھے) پڑھ کر یوں خطاب فرمایا:

واللہ لو حضرتک ما دفنت الا حیث مت ولو شھدتک مازرتک۔ — خدا کی قسم اگر میں آپ کے انتقال کے وقت حاضر ہوتی تو آپ وہیں دفن کیے جاتے جہاں آپ کا انتقال ہوا اور اگر میں آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس ہوتی تو آپ کی زیارت کو نہ آتی۔

حضرت صدیقہ کا یہ فرمانا کہ آپ مکان موت میں دفن ہوتے' اس لیے تھا کہ مکان موت سے نقل کرنا خلاف سنت ہے۔ اور زیارت کو نہ آنا اس لیے فرمایا کہ زیارت قبر کو جانا عورتوں کے لیے کوئی واجب امر نہیں ہے۔ پس اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سماع روحانی کی ضرور قائل تھیں ورنہ اپنے بھائی کی قبر پر اس طرح خطاب نہ فرماتیں۔

ناظرین کو بیان بالا کی روشنی میں معلوم ہو گیا ہوگا کہ آیہ انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور سماع موتی کے منافی نہیں یہاں مزید توضیح کے لیے ان کی تفسیر کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہے:

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا — تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا

(۱) حبشی' مکہ مشرفہ سے ۶ میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔ کذا فی معجم البلدان' لیاقوت الحموی۔

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ (نمل: ۸۰-۸۱)

سکتا بہروں کو پکار جب پھریں پیٹھ دے کر اور تو نہ دکھلا سکے اندھوں کو جب راہ سے بچلیں۔ تو تو سناتا ہے اس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ حکم بردار ہیں۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ○ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ○ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ○ وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ○ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ○

(فاطر: ۱۹-۲۳)

اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا' اور نہ اندھیرا اور نہ اجالا' اور نہ سایہ اور نہ لو' اور برابر نہیں جیتے اور نہ مردے۔ اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑوں کو' تو تو یہی ہے ڈر کی خبر پہنچانے والا۔

ان آیتوں میں مردوں اور قبر میں پڑوں سے مراد بطریق مجاز کفار ہیں اور سباق اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اعمیٰ سے مراد کافر اور بصیر سے مراد مومن ہے' اور اندھیرے سے مراد کفر اور نور سے مراد ایمان ہے' اور سایہ سے مراد بہشت اور لو سے مراد دوزخ ہے' اور زندوں سے مراد مومن اور مردوں سے مراد کفار ہیں۔ پس من فی القبور سے مجازاً کفار مراد ہیں اور نفی سماع سے مراد سماع قبول و انتفاع کی نفی ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ کفار وعظ و نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے جس طرح کہ مردے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کے لیے فائدہ اٹھانے کا وقت دنیوی زندگی ہی تھی موت کے بعد ماننے سے کچھ فائدہ نہیں۔

تفسیر مدارک میں انک لاتسمع الموتی کے تحت میں ہے:

لما كانوا لايعون ما يسمعون ولا به ينتفعون شبهوابالموتى۔

چونکہ کفار جو کچھ سنتے تھے اسے یاد نہ رکھتے تھے اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے اس لیے مردوں کے ساتھ تشبیہ دیئے گئے۔

علامہ شیخ محمد طاہر صدیقی حنفی (متوفی ۹۸۱ھ) مجمع البحار میں لکھتے ہیں:

انک لاتسمع الموتی ای لا تقدران توفق الکفار لقبول الحق۔

تو کفار کو قبول حق کی توفیق نہیں دے سکتا۔

علامہ ابن قیم نے مقتولین بدر کی بحث میں یوں تحریر کیا ہے:

واما قوله تعالى وما انت بمسمع من فى القبور فسياق الايه يدل على ان المراد منها ان الكافر الميت القلب لاتقدرعلى اسماعه اسماعا ينتفع به كما ان من فى القبور لا تقدر على اسماعهم اسماعا ينتفعون به ولم يرد سبحانه ان اصحاب القبور لا يسمعون شيئا البته كيف وقد اخبر النبى صلى الله عليه وسلم انهم يسمعون خفق نعال المشيعين و اخبر ان قتلى بدر سمعوا كلامه و خطابه و شرع السلام عليهم بصيغه الخطاب للحاضر الذى يسمع واخبران من سلم على اخيه المومن رد عليه السلام' وهذه الايه نظير قوله انك لا تسمع الموتى ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرين- وقد يقال نفى اسماع الصم مع نفى

اسماع الموتی یدل علی ان المراد عدم اهلیه کل منهما للسماع وان قلوب هولاء لما کانت میته صماء کان اسماعها ممتنعا بمنزله خطاب المیت و الاصم وهذا حق ولکن لا ینفی اسماع الارواح بعد الموت اسماع توبیخ و تقریع بواسطه تعلقها بالابدان فی وقت ما فهذا غیر الاسماع المنفی والله اعلم- وحقیقه المعنی انک لا تستطیع ان تسمع من لم یشاء الله ان یسمعه ان انت الانذیرای انما جعل الله لک الاستطاعه علی الانذارالذی کلفک ایاه لاعلی اسماع من لم یشاء الله اسماعه-

آیت وما انت بمسمع من فی القبور کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ مردہ دل کافر کو ایسا سنانا نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھائے جیسا کہ آپ مردوں کو ایسا سنانا نہیں سنا سکتے جس سے وہ فائدہ اٹھائیں۔ اللہ پاک کی یہ مراد نہیں کہ اہل قبور کوئی شئے بالکل سنتے ہی نہیں۔ یہ مراد کیونکر ہو سکتی ہے حالانکہ نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ مردے جنازے والوں کے جوتوں کی آواز سن لیتے ہیں' اور آپ نے خبر دی ہے کہ جنگ بدر کے مقتولین نے آپ کا کلام و خطاب سنا اور آپ نے اہل قبور پر سلام کا حکم دیا جس طرح حاضر کو جو سنتا ہو' خطاب کیا جاتا ہے۔ اور آپ نے خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر پر سلام کہتا ہے وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہ آیت دوسری آیت (انک لا تسمع الموتی) کی نظیر ہے اور کبھی کہا

جاتا ہے کہ بہروں کو سنانے کی نفی مردوں کو سنانے کی نفی کے ساتھ مل کر دلالت کرتی ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک سننے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ کفار کے دل چونکہ مردہ اور سخت ٹھوس ہیں ان کا سنانا ممتنع بمنزلہ مردے اور بہرے کے خطاب کے ہے۔ یہ درست ہے مگر اس سے اس اسماع (سنانے) کی نفی نہیں ہو سکتی جو روحوں کو بواسطہ تعلق(۱) بدن کسی وقت توبیخ و ملامت کے لیے کیا جائے۔ یہ اسماع اور ہے اور اسماع منفی اور ہے۔ واللہ اعلم۔ اور آیت کے حقیقی معنے یہ ہیں کہ آپ نہیں سنا سکتے اس شخص کو جسے اللہ نہ سنانا چاہے آپ تو نذیر ہی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو انداز کے ساتھ مکلف کیا ہے اور اسی کی استطاعت دی ہے نہ کہ اسماع کی ایسے شخص کو جس کا اسماع اللہ نے نہیں چاہا۔ (کتاب الروح' ص ۱۷)

پس ثابت ہوا کہ ان آیتوں میں سماع خاص (سماع انتفاع) کی نفی ہے نہ کہ مطلق سماع کی۔ اگر سباق و سیاق سے قطع نظر کر کے سماع مطلق کی نفی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ نفی مردوں اور قبر میں پڑوں سے ہے اور وہ کیا ہیں اجسام بے روح۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن میں زیر آیت وما انت بمسمع من فی القبور لکھتے ہیں "حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں۔ بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سن سکتا" ان آیتوں کی تاویل میں علمائے کرام کے اور اقوال بھی ہیں جو نظر بر اختصار یہاں نقل نہیں کیے گئے۔

قصہ بدر سے ملتے جلتے دو اور قصے خود کلام اللہ شریف میں مذکور ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

(۱) ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے خطاب کے وقت مقتولین بدر بوجہ اعادہ روح زندہ تھے اور انہوں نے گوش بدن سے آپ کا کلام سنا۔

۱۔ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۝ (اعراف: ۷۷-۷۹)

اور بولے اے صالح لے آ ہم پر جو وعدہ دیتا ہے اگر تو بھیجا ہوا ہے، پھر پکڑا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھر میں اوندھے پڑے۔ پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا اے میری قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کا اور بھلا چاہا تمہارا لیکن تم نہیں چاہتے بھلا چاہنے والوں کو۔

ان آیتوں میں حضرت صالح علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم سے ان کی لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر زندہ حاضرین کی طرح خطاب فرماتے ہیں۔ اگر وہ سنتے نہ تھے تو خطاب عبث ٹھہرتا ہے جس سے انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام یقیناً پاک و منزہ ہیں۔ اسی طرح حضرت شعیب علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی قوم سے ان کے ہلاک ہونے کے بعد لاشوں کے پاس کھڑے ہو کر زندوں کی طرح خطاب فرمایا، جو کلام اللہ شریف میں یوں وارد ہے:

۲۔ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ۝ (اعراف: ۹۳)

پھر الٹا پھرا ان سے اور بولا اے قوم میں پہنچا چکا تم کو پیغام اپنے رب کے اور بھلا چاہا تمہارا اب کیا غم کھاؤں نہ ماننے لوگوں پر۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج عبد بن حمید و ابو الشیخ عن قتادہ فتولی عنھم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی و

نصحت لکم قال ذکرلنا ان نبی اللہ شعیبا اسمع قومه وان صالحا اسمع۔الحدیث

عبد بن حمید (متوفی ۲۴۹ھ) اور ابوالشیخ (متوفی ۳۵۴ھ) نے روایت کیا کہ حضرت قتادہ (متوفی ۱۱۷ھ) نے آیہ فتولی عنھم کی تفسیر میں فرمایا کہ ہم سے ذکر کیا گیا کہ اللہ کے پیغمبر شعیب نے اپنی قوم کو سنا دیا اور حضرت صالح نے اپنی قوم کو سنا دیا جیسا کہ سنا دیا اللہ کی قسم حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم) نے اپنی قوم کو۔

(در منثور، جزء ثالث، ص ۱۰۳)

حضرت عبد بن حمید وہ بزرگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے تفسیر میں کتاب لکھی۔ (مرقات شرح مشکوۃ، جزء اول، ص ۳۴۳)

اور حضرت قتادہ تابعی ہیں جو فقہ و تفسیر و حفظ میں یگانہ روزگار ہونے کے علاوہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مقتولین بدر کے گوش بدن سے سننے کے راویوں میں سے ہیں۔

پس اے برادران اسلام! ہم قرآن کریم کی آیات بالا آپ کے آگے پیش کرتے ہیں اور ساتھ ہی عرض کرتے ہیں کہ سب سے پہلی کتاب تفسیر میں حضرت قتادہ تابعی کی روایت سے ان آیتوں کی تفسیر میں یہ امر مذکور ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا (ذکر کرنے والے کون؟ صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کہ حضرت شعیب اور حضرت صالح علی نبینا و علیہما الصلوۃ والسلام نے اپنی اپنی قوموں کو (جو بوجہ نافرمانی قہر خدا سے ہلاک ہو کر سامنے پڑی تھیں) اپنا کلام سنا دیا جس طرح کہ سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے اللہ کی قسم اپنی قوم کے مقتولین کو میدان بدر میں سنا دیا تھا، اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ مقتولین بدر کا سماع جسمانی تھا یعنی ان کی

روحوں نے گوش بدن کے ساتھ سنا تھا جیسا کہ ہم (۱) دنیا میں سنتے ہیں اور اب یہاں ثابت ہوا کہ حضرت صالح اور حضرت شعیب علیٰ نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ہلاک شدہ قوموں کا سماع بھی جسمانی تھا' اور یہ بھی پہلے آ چکا ہے کہ سماع روحانی سے تو کسی کو انکار ہی نہیں۔ اب بتائیے کہ سماع موتی کا (انہی معنے میں جو بیان ہو چکے ہیں) اور کیا ثبوت درکار ہے۔

بر رسولاں بلاغ باشد و بس

عبارات فقہ پر تبصرہ

اب ہم کتب فقہ کی ان عبارتوں سے بحث کرتے ہیں جن سے ہمارے بعض حنفی بھائی مغالطہ کھاتے ہیں اور برعکس نتائج نکالتے ہیں۔ وہ عبارتیں یہ ہیں:

۱- (ومن قال لاخر ان ضربتك فعبدى حرفمات فضربه فهو على الحياه) لان الضرب اسم لفعل مولم يتصل بالبدن والايلام لا يتحقق فى الميت و من يعذب فى القبر توضع فيه الحياه فى قول العامه (وكذلك الكسوه) لانه يراد به التمليك عند اطلاق و منه الكسوه فى الكفاره و هو من الميت لا يتحقق الا ان ينوى به الستر و قيل بالفارسيه ينصرف الى اللبس (و كذا الكلام

(۱) طبرانی میں مقتولین بدر کی نسبت حدیث ابن مسعود میں بہ سند صحیح وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یسمعون کما تسمعون ولکن لایجیبون۔ وہ سنتے ہیں جس طرح تم سنتے ہو لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔

(زرقانی علی المواہب' جزء اول' ص ۳۳۳)

والدخول) لان(۱) المقصود من الكلام الافهام والموت ينافيه و المراد من الدخول عليه زيارته وبعد الموت يزار قبره لاهو۔

(اور جس نے کہا دوسرے سے کہ اگر میں تجھ کو ماروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ پس وہ دوسرا مر گیا اور اس نے اس کو مارا پس یہ قسم حیات پر مقصور ہوگی) کیونکہ ضرب نام ہے درد پہنچانے والے کے فعل کا جو بدن سے متصل ہو اور درد پہنچانا مردے میں ثابت نہیں ہوتا' اور قبر میں جو عذاب دیا جاتا ہے تو اس میں عامہ مشائخ کے نزدیک حیات ڈالی جاتی ہے (اور یہی حکم ہے لباس دینے کا) کیونکہ اطلاق کی وقت اس سے مراد تملیک ہوتی ہے' اور اسی سے ہے کفارہ میں لباس دینا۔ اور یہ مردے میں ثابت نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس سے نیت ستر کی ہو' اور کہا گیا ہے کہ فارسی میں یہ قسم پہنانے پر محمول ہوگی (اور ایسا ہی حکم ہے کلام اور دخول کا) کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے اور موت اس کے منافی ہے اور دخول سے مراد اس کی زیارت ہے اور موت کے بعد اس کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے نہ کہ اس کی۔ (ہدایہ' باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرہ)

۲- (قوله و كذا الكلام) يعنى اذا حلف لا يكلمه اقتصر على الحياه فلو كلمه بعد موته لا يحنث ان المقصود منه الافهام والموت ينافيه فانه لا يسمع فلا يفهم واورد انه صلى الله عليه وسلم قال لاهل القليب قليب بدر هل وجدتم ما وعد ربكم حقا

(۱) مبسوط سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) میں ہے فان المقصود من الكلام الافهام وذلك لا يحصل بعد الموت۔ (جزء تاسع' باب القضاء فی الیمین' ص ۸۰)

فقال عمر رضی الله عنه اتکلم الموتی یارسول
الله فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم والذی
نفسی بیده ماانتم باسمع مااقول من هولاء اومنهم
واجیب بانه غیر ثابت یعنی من جهه المعنی و
الافهو فی الصحیح وذلک بسبب ان عائشه رضی
الله عنها ردته بقوله تعالی وما انت بمسمع من
فی القبور انک لا تسمع الموتی وبانه انما قاله
علی وجه الموعظه للاحیاء لا لافهامها الموتی
کما روی عن علی رضی الله عنه انه قال السلام
علیکم دارقوم مومنین اما نساءکم فنکحت واما
اموالکم فقسمت واما دورکم فقد سکنت فهذا
خبرکم عندنا فما خبرنا عندکم وبانه مخصوص
باولئک تضعیفا للحسره علیهم لکن بقی انه
روی عنه صلی الله علیه وسلم ان المیت لیسمع
نعالهم اذا انصرفوا ولینظر فی کتاب الجنائز من
هذاالشرح۔

(قولہ اور ایسا ہی حکم ہے کلام کا یعنی جب قسم کھائے کہ اس سے
کلام نہ کرے گا تو یہ قسم حیات پر مقصور ہوگی۔ پس اگر اس سے موت
کے بعد کلام کرے گا تو حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام سے مقصود سمجھانا ہے
اور موت اس کے منافی ہے۔ اس لیے کہ مردہ سنتا نہیں پس سمجھتا نہیں'
اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ نے چاہ بدر والوں
سے فرمایا "کیا تم نے راست و درست پایا جو تمہارے رب نے وعدہ کیا

تھا" یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ
مردوں سے کلام فرما رہے ہیں؟ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے
اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم میرے کلام کو
ان سے زیادہ نہیں سنتے ہو' اور اس اعتراض کا جواب بدیں طور دیا گیا ہے
کہ یہ حدیث معنی کی جہت سے ثابت نہیں ورنہ ہے تو صحیح میں۔ اور
اس کا نہ ثابت ہونا اس سبب سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
اسے اللہ تعالیٰ کے قول (وما انت بمسمع من فی القبور۔
انک لا تسمع الموتی) سے رد کیا ہے۔ اور بدیں طور کہ حضور
اقدس ﷺ نے اسے زندوں کے لیے نصیحت کے طور پر فرمایا نہ کہ
مردوں کے سمجھانے کے لیے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت
ہے کہ آپ نے فرمایا "سلام تم پر اے گھر والو مومنو! تمہاری عورتوں نے
تو نکاح کر لیے اور تمہارے مال تقسیم ہوگئے اور تمہارے گھروں میں اور
آباد ہوگئے۔ ہمارے پاس تمہاری خبر تو یہ ہے ہماری خبر تمہارے پاس کیا
ہے" اور بدیں طور کہ یہ ان کفار کے ساتھ خاص ہے تاکہ حسرت زیادہ
ہو' مگر یہ حدیث باقی رہ گئی کہ مردہ جنازے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا
ہے جب وہ واپس آتے ہیں۔ اس کی بابت اس شرح کی کتاب الجنائز میں
دیکھنا چاہیے۔ (فتح القدیر' مطبوعہ مصر' جزء رابع' ص ۳۶۱)

۳۔ (اذا احتضر الرجل وجه الی القبله علی شقه
الایمن ولقن الشهادتین لقوله صلی الله علیه
وسلم لقنوا موتاکم شهاده ان لا اله الا الله والمراد
الذی قرب من الموت۔

(جب آدمی مرنے کے قریب ہو تو اسے دائیں پہلو پر قبلہ رو کر دینا

چاہیے اور اسے شہادتین کی تلقین کرنی چاہیے) کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ
والسلام نے فرمایا ہے کہ اپنے مردوں کو شہادت لا الہ الا اللہ تلقین
کرو۔ اور موتے سے مراد قریب الموت ہے۔ (ہدایہ' باب الجنائز)

۴۔ (قوله والمراد الذى قرب من الموت) مثل لفظ
القتيل فى قوله عليه السلام من قتل قتيلا فله
سلبه واما التلقين بعد الموت وهو فى القبر فقيل
يفعل لحقيقه ماروينا و نسب الى اهل السنه و
الجماعه وخلافه الى المعتزله وقيل لا يومر به ولا
ينهى عنه و يقول يا فلان يا ابن فلان اذكر دينك
الذى كنت عليه فى دار الدنيا شهاده ان لا اله الا الله
وان محمدا رسول الله ولا شك ان اللفظ لا يجوز
اخراجه عن حقيقته الا بدليل فيجب تعيينه وما
فى الكافى من انه ان كان مات مسلما لم يحتج
اليه بعد الموت والا لم يفد يمكن جعله الصارف
يعنى ان المقصود منه التذكير فى وقت تعرض
الشيطان و هذا لا يفيد بعد الموت و قد يختار
الشق الاول والاحتياج اليه فى حق التذكير لتثبيت
الجنان للسوال فنفى الفائده مطلقا ممنوع نعم
الفائده الاصليه منتفيه وعندى ان مبنى ارتكاب
هذا المجاز هنا عند اكثر مشائخنا هو ان الميت لا
يسمع عندهم على ماصرحوا به فى كتاب الايمان
فى باب اليمين بالضرب لو حلف لا يكلمه فكلمه

ميتا لا يحنث لانها تنعقد على ما بحيث يفهم
والميت ليس كذلك لعدم السماع و اورد قوله
صلى الله عليه وسلم فى اهل القليب ما انتم
باسمع لما اقول منهم واجابوا تاره بانه مرجوع عن
عائشه رضى الله عنها قالت كيف يقول صلى الله
عليه وسلم ذلك والله تعالى يقول وما انت
بمسمع من فى القبور انك لا تسمع الموتى وتاره
بان تلك خصوصيه له صلى الله عليه وسلم
معجزه و زياده حسره على الكافرين و تاره بانه من
ضرب المثل كما قال على رضى الله عنه ويشكل
عليهم ما فى مسلم ان الميت ليسمع قرع
نعالهم اذا انصرفوا اللهم الا ان يخصوا ذلك باول
الوضع فى القبر مقدمه للسوال جمعا بينه وبين
الايتين فانهما يفيدان تحقيق عدم سماعهم
فانه تعالى شبه الكفار بالموتى لافاده تعدد
سماعهم و هو فرع عدم سماع الموتى الا انه على
هذا ينبغى التلقين بعد الموت لانه يكون حين
ارجاع الروح فيكون حينئذ لفظ موتاكم فى
حقيقته و هو قول طائفه من المشائخ او هو مجاز
باعتبار ما كان نظرا الى انه الان حى اذ ليس معنى
الحى الا من فى بدنه الروح وعلى كل حال يحتاج
الى دليل آخر فى التلقين حاله الاحتضار۔

۴۔ (قولہ اور موتے سے مراد قریب الموت ہے) جیساکہ لفظ قتیل اس حدیث میں کہ جو کسی قتیل کو قتل کرے تو اس کے لیے اس کا اسباب ہے۔ رہی تلقین موت کے بعد قبر میں۔ سو کہا گیا ہے کہ کرنی چاہیے کیونکہ حدیث میں موتی حقیقی معنے پر محمول ہے اور موت کے بعد تلقین اہل سنت و جماعت کی طرف منسوب ہے اور اس کا خلاف معتزلہ کی طرف منسوب ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ نہ اس کا امر کرنا چاہیے اور نہ اس سے روکنا چاہیے اور یہ یوں کرنی چاہیے۔ اے فلاں! اے بیٹے فلاں کے! یاد کر اپنے دین کو جس پر تم دنیا میں تھے یعنی گواہی اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ لفظ موتے کا بلا دلیل اپنے حقیقی معنے سے نکالنا جائز نہیں۔ اس لیے حقیقی معنے ہی لینے چاہئیں۔ اور یہ قول جو کافی میں ہے کہ اگر مسلمان مرا تو اسے موت کے بعد تلقین کی حاجت نہیں ورنہ مفید نہیں اس کو قرینہ صارفہ بنانا ممکن ہے۔ یعنی تلقین سے مقصود یہ ہے کہ شیطان کے تعرض کے وقت یاد دلایا جائے اور یہ موت کے بعد مفید نہیں۔ اور کبھی پہلی شق اختیار کی جاتی ہے اور اس کی حاجت تذکیر کے حق میں ہے تاکہ سوال منکر و نکیر کے لیے دل ثابت رہے۔ پس یہ کہنا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ممنوع ہے۔ ہاں اصلی فائدہ نہیں' اور میرے نزدیک یہ ہے کہ یہاں اس مجاز کے ارتکاب کا مبنی ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک یہ ہے کہ مردہ ان کے نزدیک سنتا نہیں جیساکہ انہوں نے کتاب الایمان فی باب الیمین فی الضرب میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ دوسرے شخص سے کلام نہ کرے گا پس دوسرا شخص مرگیا اور اس نے موت کے بعد اس سے کلام کیا تو یہ حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ

قسم اس پر منعقد ہوئی تھی جو سمجھتا تھا' اور مردہ ایسا نہیں اس لیے کہ سنتا نہیں' اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے چاہ بدر والوں کی نسبت فرمایا تھا کہ تم میرے کلام کو ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ ان مشائخ نے کبھی تو اس اعتراض کا یوں جواب دیا ہے کہ اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رد کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیونکر فرما سکتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما انت بسمع من فی القبور- انک لاتسمع الموتی اور کبھی یوں جواب دیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص معجزہ اور کافروں پر زیادہ حسرت ہے۔ اور کبھی یوں کہ یہ از قبیل ضرب المثل ہے۔ جیساکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا' اور ان پر اس حدیث مسلم کا جواب مشکل ہے کہ "مردہ جنازے والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جس وقت وہ واپس آتے ہیں" اے اللہ اس اعتراض سے مخلصی نہیں مگر یہ کہ وہ اس سماع کو سوال کے لیے بطور مقدمہ کے قبر میں پہلے رکھنے سے خاص کر دیں۔ تاکہ اس حدیث اور ان دو آیتوں کے درمیان تطبیق ہو جائے۔ کیونکہ وہ دو آیتیں مردوں کا نہ سننا ثابت کرتی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو موتے کے ساتھ تشبیہ دی' تاکہ کفار کے عدم سماع کا افادہ ہو اور یہ مردوں کے عدم سماع کی فرع ہے۔ مگر اس تقدیر پر موت کے بعد تلقین کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ روح کے اعادے کے وقت ہوگی' پس اس وقت لفظ موتے اپنے حقیقی معنوں میں ہوگا اور یہ مشائخ کے ایک گروہ کا قول ہے۔ یا یہ مجاز ہے باعتبار سابق اس امر کو مدنظر رکھ کر کہ اب وہ زندہ ہے۔ کیونکہ زندہ کے معنے وہی ہیں جس کے بدن میں روح ہو اور ہر حال میں قرب موت پر تلقین کے لیے کسی اور دلیل کی

ضرورت ہے۔ (فتح القدیر' جزء ثانی' ص ۶۸-۶۹)

عبارات کے صحیح مفاہیم

(۱) عبارت میں موت کے بعد ایلام و کلام متحقق نہ ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے' وہ قریب قریب انہی الفاظ میں ہدایہ کی شرحوں عنایہ و کفایہ اور کنز الدقائق کی شروح زیلعی' عینی' بحرو مستخلص میں اور کافی شرح وافی اور رد المحتار حاشیہ در مختار میں بھی درج ہے۔ مگر یہاں میت سے مراد جسم مردہ ہے جس میں سے روح پرواز کر چکی ہو۔ اس تقریر کے موافق مردہ بدن کو نہ الم پہنچ سکتا ہے اور نہ یہ سن سکتا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس کو عذاب قبر جس پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے جواب کے لیے یہ بتایا گیا ہے کہ عذاب قبر کے لیے عامہ مشائخ کے نزدیک اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ مقتولین بدر کی لاشوں کی نسبت حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے یوں فرمایا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ اس کا جواب بصیغہ تمریض علامہ ابن ہمام نے عبارت نمبر۲ میں نقل کیا ہے۔ عبارت نمبر۳ میں قریب الموت کی تلقین کے ثبوت میں صاحب ہدایہ نے حدیث میں لفظ موتے سے مراد مجازاً قریب الموت بیان کی ہے۔ اس مجاز کے اختیار کرنے کی وجہ صاحب فتح القدیر نے اپنے خیال کے موافق عبارت نمبر۴ میں یہ بیان کی ہے کہ چونکہ ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک موتے (اجسام مردہ) کو سماع نہیں۔ لہذا موت کے بعد وہ تلقین متعذر سمجھتے ہیں کیونکہ جب مردہ سنتا ہی نہیں تو تلقین کسے کی جائے۔

چونکہ اس پر قصہ مقتولین بدر وارد ہوتا تھا۔ اس لیے علامہ ابن ہمام نے ان مشائخ کے کئی جواب نقل کیے ہیں۔ پھر فرمایا کہ حدیث مسلم کا جواب ان سے مشکل ہے۔ بجز اس کے کہ اس سماع کو بطور مقدمہ سوال قبر میں پہلے رکھنے سے خاص کریں تاکہ اس میں اور قرآن کی دو آیتوں میں تطبیق ہو جائے۔ مگر اس تقدیر پر موت کے

بعد تلقین کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ وقت اعادۂ روح کا ہوتا ہے۔ پس موتی اپنے حقیقی معنے پر رہے گا۔ اور مشائخ کے ایک گروہ کا یہی قول ہے۔ یا موتی بلحاظ حالت سابقہ کہا گیا اس لیے کہ اب تو زندہ ہے کیونکہ زندہ کے یہی معنے ہیں کہ روح بدن میں ہو۔ بہر حال قریب الموت کی تلقین ثابت کرنے کے لیے کوئی اور دلیل چاہیے کیونکہ حقیقی اور مجازی معنی دونوں مراد نہیں ہو سکتے اور نہ دو مجازی مراد ہو سکتے ہیں اور نہ عموم مجاز کی صورت بن سکتی ہے۔ یہ عبارات بالا کا خلاصہ مطلب ہے۔ ان میں مردہ بدن کے سماع کا انکار پایا جاتا ہے' ارواح کے سماع کا انکار نہیں۔ اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے اور یہی اصرار کیا جائے کہ اکثر مشائخ حنفیہ قرآن و حدیث و اجماع کے خلاف سماع موتی کے منکر تھے اور سماع موتی سے ان کی یہ مراد تھی کہ موت کے بعد روح فنا ہو جاتی ہے اور اسے کچھ ادراک باقی نہیں رہتا' تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ وہ مشائخ معتزلی الاصول حنفی الفروع تھے جو اجماع اہل سنت و جماعت میں داخل ہی نہیں۔ ایسے معتزلیوں کو بھی مشائخ مذہب میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ در مختار کتاب النکاح فصل محرمات میں تفسیر کشاف سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے کہ شہوت سے مساس وغیرہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک قائم مقام دخول کے ہے۔ اس پر علامہ شامی نے یوں لکھا ہے:

فنقل ذالک عنه لان الزمخشری من مشائخ المذهب وهو حجه فی النقل-

مصنف نے یہ مسئلہ جار اللہ زمخشری سے نقل کیا کیونکہ زمخشری مشائخ مذہب سے ہے اور وہ نقل میں حجت ہے۔ (ردالمحتار' جزء ثانی' ص ۳۰۲)

اور یہ قول بقید حوالہ اوپر مذکور ہوا کہ موت کے بعد تلقین اہل سنت و جماعت کی طرف منسوب ہے اور اس کا خلاف معتزلہ کی طرف منسوب ہے' اور اکثر مشائخ کا موت کے بعد تلقین کو منع کرنا سماع موتی کے انکار پر مبنی ہے اور اہل سنت حدیث میں

موتا کم کو حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ پس یہ اکثر مشائخ جو سماع موتی کے منکر ہیں اور اسی واسطے تلقین سے منع کرتے ہیں معتزلہ نہیں تو کیا ہیں۔ ابتداء میں حنفیہ اور ایسے معتزلہ کا ارتباط بہت رہا ہے۔ اس لیے کسی حنفی عالم نے کسی معتزلی سے سن کر یا کسی معتزلی کی تصنیف سے یہ قول سہوا اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ پھر دیگر علمائے حنفیہ بلا تنبیہ اسے نقل کرتے رہے۔

چنانچہ البحر الرائق (جزء سادس، ص۲۰۱) میں ہے:

وقد يقع كثيرا ان مولفا يذكر شيئا خطا فی كتابه فياتی من بعده من المشائخ فينقلون تلك العباره من غير تغيير ولا تنبيه فيكثر الناقلون لها واصلها الواحد مخطی۔

کبھی ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک مولف کوئی بات غلطی سے اپنی کتاب میں ذکر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد جو مشائخ آتے ہیں وہ اس عبارت کو بلا تغییر و تنبیہ کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح اس کے نقل کرنے والے زیادہ ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل میں ایک شخص کی غلطی ہوتی ہے۔

اسی مسئلہ سماع کے متعلق علامہ نسفی کو دیکھیے کہ تفسیر مدارک میں الله یتوفی الانفس۔ الایہ کی تفسیر میں سہوا جار اللہ زمخشری معتزلی کا قول لفظ بلفظ تفسیر کشاف سے نقل کر گئے جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ اسی واسطے علامہ علی القاری لکھتے ہیں کہ زمخشری نے کشاف میں اپنے عقائد کو اس طرح داخل کیا ہے کہ لوگوں کو پتہ نہیں لگتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے بعض فقہاء نے اس کی تفسیر کا مطالعہ حرام فرمایا ہے۔ (الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص۸۷)

غرض عدم سماع موتی بدیں معنے کہ موت کے بعد روح کے لیے سماع و ادراک

باقی نہیں رہتا یقیناً معتزلہ کا قول ہے جو سہوا کتب حنفیہ میں درج ہو گیا اور یہ قباحت اس سے پیدا ہوئی کہ مشائخ حنفیہ ایسے حنفی الفروع معتزلہ کو اپنے مشائخ مذہب میں شمار کرتے رہے اور ان کی کتابوں سے بعض وقت نقل کرتے رہے۔ چنانچہ علامہ ابو محمد عبدالقادر حنفی مصری (متوفی ۷۷۵ھ) نے جواہر مضیہ میں جو طبقات حنفیہ میں پہلی کتاب ہے، ایسے معتزلہ کو مشائخ حنفیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱- بشر بن غیاث مریسی متوفی ۲۲۸ھ معتزلی متکلم اور صاحب تصانیف ہیں۔ امام ابو یوسف سے اکثر روایت کرتے ہیں مگر امام ممدوح ان کو اچھا نہ جانتے تھے۔ مذہب میں ان کے بعض اقوال عجیب ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ گدھے کے گوشت کا کھانا جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ تمام عمر میں ترتیب واجب ہے۔ چنانچہ صاحب خلاصہ نے باب قضاء الفوائت میں ذکر کیا ہے و ربما شرط بعض الترتیب فی جمیع العمر یہ بعض یہی بشر مریسی ہیں (جزء اول، ص۶۵) امام عبدالرشید بن ابی حنیفہ والوالجی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے: والرحمن لا افعل (رحمٰن کی قسم میں نہ کروں گا) اس مسئلے میں اگر رحمٰن سے سورۂ رحمٰن مراد رکھے تو یمین نہ ہوگی۔ اگر مراد اللہ ہو تو یمین ہوگی۔ اس مسئلے کو بلا تنبیہ یوں نقل کیا ہے کہ گویا یہ مذہب ہے حالانکہ یہ تفصیل بشر مریسی کا قول ہے۔ اور مذہب یہ ہے کہ یہ یمین ہی ہے کیونکہ رحمٰن میں نیت معتبر نہیں۔ (رد المحتار، جزء ثالث، ص۵۴)

۲- اسماعیل بن علی بن الحسین ابو سعد السمان متوفی ۴۴۵ھ امام المعتزلہ تھے۔ فقہ حنفیہ اور کلام میں امام تھے۔ مشائخ زمانہ میں سے تین ہزار ان کے شاگرد تھے۔

(جزء اول، ص۱۵۶)

۳- حسن بن عبداللہ السیرافی النحوی متوفی ۳۷۱ھ بغداد میں رہا کرتے تھے اور علوم القرآن فقہ کلام وغیرہ کا درس دیا کرتے تھے مگر معتزلی تھے۔ (جزء اول، ص۱۹۶)

۴- عبداللہ بن احمد بن محمود البلخی متوفی ۳۱۹ھ معتزلی متکلم ہیں۔ علم کلام میں ان کی تصانیف ہیں۔ مدت تک بغداد میں رہے اور وہیں ان کی کتابیں مشہور ہوئیں پھر بلخ کو چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ (جزء اول، ص ۲۷۱)

۵- عبدالسلام بن محمد بن یوسف بن بندار متوفی ۴۸۸ھ حنفی معتزلی ہیں۔ اپنے اعتزال پر فخر کیا کرتے تھے۔ تفسیر میں محقق سمجھے جاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کی ایک تفسیر تین سو جلدوں میں لکھی جن میں سے سات میں فاتحہ کی تفسیر ہے۔ (جزء اول، ص ۳۱۵)

۶- عبدالسید بن علی بن محمد المعروف بابن الزیتونی متوفی ۵۴۲ھ معتزلی حنفی متکلم ہیں۔ علم کلام میں ان کی تصنیف ہے۔ (جزء اول، ص ۳۲۶)

۷- علی بن اسماعیل بن اسحاق الاشعری۔ ۳۳۰ھ سے چند سال بعد فوت ہوئے۔ حنفی المذہب اور معتزلی الکلام ہیں۔ طائفہ اشعریہ انہی کی طرف منسوب ہے۔ امام ابوبکر باقلانی ان کے مذہب کے معاون ہیں۔ (جزء اول، ص ۳۵۳)

۸- محمد بن احمد بن حامد بن عبید الیکندی البخاری متوفی ۴۸۲ھ معتزلہ کے طریق پر علم کلام سے واقف تھے۔ اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے۔ منصور کے عہد میں بغداد کی طرف آئے منصور نے بغداد میں داخل نہ ہونے دیا مگر منصور کے مرنے پر بغداد میں آئے اور وفات تک وہیں رہے۔ (جز ثانی، ص ۸)

۹- محمد بن ابی الحسن القفال الخوارزمی حنفی المذہب تھے۔ معتزلہ کے طریق پر اصول سے واقف تھے اور اسی پر مناظرہ کیا کرتے تھے۔ (جزء ثانی، ص ۴۱)

۱۰- محمد بن شجاع الثلجی متوفی ۲۶۶ھ۔ امام حسن بن زیاد کے شاگرد ہیں، صاحب تصانیف ہیں۔ اپنے وقت میں اہل عراق کے فقیہ تھے۔ مگر مذہب معتزلہ کی طرف میلان رکھتے تھے۔ (ثانی ص ۶۰)

۱۱- محمد بن عبداللہ بن الحسین متوفی ۴۸۴ھ نیشاپور میں قاضی اور اپنے وقت میں

امام الحنفیہ تھے مگر معتزلی المذہب تھے۔ (ثانی، ص ۶۴)

۱۲- محمد بن عبداللہ العسکری خلیفہ مہدی کے لشکر کے قاضی تھے مگر معتزلی تھے۔ (ثانی، ص ۷۲)

۱۳- محمد بن عبدالرحمٰن الصبری، متوفی ۳۸۸ھ مشہور معتزلی ہیں۔ (ثانی، ص ۷۷)

۱۴- محمود بن عمر جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف متوفی ۵۳۸ھ مشہور معتزلی الاصول ہیں۔ علم ادب میں ضرب المثل تھے۔ (ثانی، ص ۱۶۰)

۱۵- ناصر بن ابی المکارم عبدالسید بن علی المطرزی متوفی ۶۱۰ھ فقہ و لغت عربیہ میں امام تھے مگر بڑے معتزلی تھے۔ ان کو خلیفہ زمخشری کہا کرتے تھے۔ (ثانی ص ۱۹۰)

۱۶- یحیٰی بن طاہر بن الحسین الدمشقی ابوسعد الرازی متوفی ۵۳۷ھ اعتزال و تشیع کی طرف مائل تھے اور اپنے چچا اسماعیل بن علی امام المعتزلہ کے شاگرد تھے۔ (ثانی، ص ۲۱۴)

حالات مذکورہ بالا میں اگر مسئلہ سماع موتی پر اعتزال کا رنگ آگیا تو کچھ تعجب نہیں۔ اب ہم مسئلہ یمین پر مزید غور کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ جامع صغیر للامام محمد (متوفی ۱۸۷ھ) میں یوں ہے:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ عنہم رجل قال لاخر ان ضربتک فعبدی حرفمات فضربہ قال فھو علی الحیاہ وکذلک الکسوہ والکلام والدخول۔

امام محمد نے امام یعقوب (ابو یوسف) سے اور امام یعقوب نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا اگر میں تجھ کو ماروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ پس وہ دوسرا مرگیا اور اس شخص نے اس کو مارا۔ فرمایا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کہ وہ یمین حیات پر مقصور ہے اور ایسا ہی حکم ہے کہ

لباس دینے اور کلام اور دخول کا۔

(باب الیمین فی القتل والضرب)

جامع الصغیر کا یہی متن ہدایہ میں لیا گیا ہے۔ اس مسئلے کا مبنی قواعد فقہیہ کے مطابق عرف پر ہے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

الاصل ان الایمان مبنیه علی العرف عندنا لا علی الحقیقه اللغویه کما نقل عن الشافعی رحمه الله ولا علی الاستعمال القرانی کما عن مالک رحمه الله و لا علی النیه مطلقا کما عن احمد رحمه الله۔	اصل یہ ہے کہ قسمیں ہمارے نزدیک عرف پر مبنی ہوتی ہیں نہ کہ حقیقۃً لغویہ پر جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے، اور نہ استعمال قرآنی پر جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ سے منقول ہے، اور نہ مطلقانیت پر جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے منقول ہے۔

(فتح القدیر، جزء رابع، باب الیمین فی الدخول والسکنی، ص ۳۷۷)

لہٰذا یمین بالضرب یا یمین بالکلام کی صورت میں یمین کے حیات پر مقصور ہونے کی یہ دلیل بیان کر دینی کافی تھی کہ چونکہ قسم کا مبنی عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں کلام سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ زندہ کے ساتھ ہو۔ اسی طرح ضرب سے مراد وہ ہوتی ہے جو زندہ پر واقع ہو۔ اس لیے اگر موت کے بعد کلام کرے گا یا مارے گا تو حانث نہ ہوگا۔ مگر بجائے اس کے شرحوں میں وہ عبارتیں نقل ہوتی چلی آئیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ اگر مذکورہ بالا طریق تطبیق کو جو فی الجملہ اطمینان بخش ہے تسلیم نہ کیا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ قول معتزلہ سہواً شرحوں میں درج ہوتا چلا آیا ہے جسے علامہ ابن ہمام نے اکثر مشائخ حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ یہ وہی مشائخ ہیں جو موت کے بعد تلقین کے مانع ہیں۔ یہ وہی مشائخ ہیں جو قبر میں اعادۂ روح کو نہیں

مانتے۔ جیسا کہ کتاب المسائرہ سے پہلے نقل ہوا۔ یہ وہی مشائخ ہیں جنہوں نے حدیث صحیحین کو جو سماع موتی میں نص ہے صرف اس واسطے رد کر دیا کہ ان کے زعم میں آیہ انک لا تسمع الموتی اور وما انت بمسمع من فی القبور کے خلاف ہے۔(۱) حالانکہ یہی دلیل حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کی گئی تھی جس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔ یہ وہی مشائخ ہیں جو صرف یہ کہہ کر پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں کہ یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی یا ان کفار کے ساتھ خاص تھا۔ حالانکہ کسی روایت میں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی۔

یہ وہی مشائخ ہیں جو گھبراہٹ میں اس حدیث صحیح کے جواب میں بول اٹھتے ہیں کہ زندوں کی نصیحت کے لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ایسا فرمایا تھا نہ کہ مردوں کو سنانے کے لیے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے السلام علیکم دار قوم مومنین (الحدیث) حالانکہ یہ روایت اول سے آخر تک مردوں کا سننا ثابت کر رہی ہے۔(۲)

---

(۱) علامہ سندی حنفی (متوفی ۱۱۳۸ھ) حاشیہ نسائی شریف میں اس آیت اور حدیث زیر بحث میں تطبیق دے کر لکھتے ہیں:

وبالجمله فالحدیث صحیح وقد جاء بطرق فتخطئه غیر متجهه۔والله تعالی اعلم۔	حاصل کلام یہ کہ حدیث صحیح ہے اور کئی طریق سے آئی ہے اس لیے اس کو غلط کہنا بے وجہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) شرح الصدور میں ہے:

واخرج الحاکم فی تاریخ نیشاپور والبیهقی وابن عساکر فی تاریخ دمشق بسند فیه من یجهل عن سعید بن المسیب	حاکم نے تاریخ نیشاپور میں اور بیہقی نے اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ایسی سند سے روایت کی ہے جس میں ایک مجہول راوی حضرت سعید بن المسیب سے روایت کرتا ہے

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

یہ وہی مشائخ ہیں جو میت کو جماد محض جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مردے میں ایلام متحقق نہیں ہوتا۔ حالانکہ احادیث و آثار ان کی تردید کر رہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قال دخلنا مقابر المدينه مع علی بن ابی طالب کرم الله وجهه فنادی یا اهل القبور السلام عليكم و رحمه الله تخبرونا باخبارکم ام تریدون ان نخبرکم فسمعنا صوتا من داخل القبر وعليك السلام ورحمه الله وبركاته يا امير المومنين خبرنا عما كان بعدنا فقال علی اما ازواجکم فقد تزوجن واما اموالکم فقد اقتسمت والاولاد فقد حشروا فی زمره اليتامی و البناء الذی شيدتم فقد سكنها اعداءكم فهذه اخبار ما عندنا فما اخبار ما عندكم فاجابه ميت قد تخرقت الاكفان وانتشرت الشعور وتقطعت الجلود وسالت الاحداق على الخدود وسالت المناخر بالقيح والصديد وما قدمناه وجدناه وما خلفناه خسرناه ونحن مرتهنون بالاعمال۔ (ص ۸۲)

کہ فرمایا حضرت سعید نے کہ ہم حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان میں داخل ہوئے۔ پس حضرت مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یوں پکارا: اے قبروں والو تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو۔ تم ہمیں اپنی خبریں سناؤ گے یا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں سنائیں۔ پس ہم نے ایک قبر کے اندر سے یہ سنا اے امیر المومنین علیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ آپ ہمیں بتائیں کہ ہمارے پیچھے کیا ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تمہاری عورتوں نے تو نکاح کر لیے اور تمہارے مال تقسیم ہو گئے اور تمہاری اولاد یتیموں کے گروہ میں جا ملی' اور مکان جسے تم نے مضبوط بنایا تھا' اس میں تمہارے دشمن آباد ہو گئے۔ یہ تو ہمارے پاس کی خبریں ہیں۔ تمہاری پاس کی خبریں کیا ہیں؟ ایک مردے نے آپ کو جواب دیا ہمارے کفن پھٹ گئے اور بال جھڑ گئے اور کھالوں کے پرزے پرزے ہو گئے اور آنکھوں کے ڈیلے بہہ کر رخساروں تک آ گئے اور نتھنوں سے پیپ اور گندہ پانی جاری ہے اور جو ہم نے آگے بھیجا تھا اسے پالیا اور جو ہم نے پیچھے چھوڑا اسے ضائع کیا اور ہم اعمال میں مقید ہیں۔

ہیں۔(۱) یہ وہی مشائخ ہیں جو حدیث مسلم (مردہ جنازہ والوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے جس وقت وہ واپس آتے ہیں) کے سماع منصوص کو بلا دلیل سوال منکر و نکیر کے لیے بطور مقدمہ قرار دیتے ہیں۔ یہ وہی مشائخ ہیں جن میں سے بعض کو علامہ ابو محمد عبدالقادر نے طبقات الحنفیہ میں امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کی فقہ میں امام اور کسی کو خلیفہ مہدی کے لشکر کا قاضی اور کسی کو اہل عراق کا فقیہ اور کسی کو امام الحنفیہ لکھا ہے۔ سماع موتی کے ثبوت میں جو دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ پہلے بیان ہوئیں' انہیں مدنظر رکھتے ہوئے ہم اس فیصلے کو ناظرین کرام کے انصاف پر چھوڑتے ہیں کہ یہ مشائخ کون ہیں ۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من از انداز قدت مے شناسم

اب ہم اس بحث کو زیادہ طوالت نہیں دینا چاہتے کیونکہ انصاف پسند طبیعتوں کے لیے کافی لکھا جا چکا ہے۔

(۱) علامہ شیخ عبدالقادر حنفی لکھتے ہیں:

وذكر الرحمتی ايضا انه يشكل على قولهم ان الايلام لا يتحقق فی الميت ما جاء فی الاحاديث انه يوذی الميت ما يوذی الحی ولا يخفی على من تامل فی الاحاديث ان سماع الموتی لكلام الاحياء محقق ولولا ذلك لما كان لقوله عليه الصلاه والسلام السلام عليكم دار قوم مومنين (الخ) معنی لكن العرف يقتضی المكالمه مع الاحياء لا مع الموتی۔

اور رحمتی نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ ان کے قول (مردے میں ایلام ثابت نہیں ہوتا) پر مشتبہ ہو جاتا ہے۔ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ مردوں کو اذیت دیتی ہے وہ چیز جو زندے کو اذیت دیتی ہے۔ جو حدیثوں میں غور کرتا ہے اس پر پوشیدہ نہیں رہتا کہ مردوں کا زندوں کے کلام کو سننا ثابت ہے۔ اگر مردوں کو سماع نہ ہوتا تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قول السلام علیکم دار قوم مومنین (الخ) کے کچھ معنے نہ تھے۔ لیکن عرف کا مقتضا یہ ہے کہ کلام وہ ہے جو زندوں کے ساتھ ہو نہ کہ مردوں کے ساتھ۔

(التحریر المختار' لرد المختار' جزء ثانی' ص ۳۳)

۸- عالم برزخ میں روح کی سیر اور دیگر کوائف

اس باب میں جو عنوان قائم کیا گیا ہے اس کے متعلق مختلف کتابوں سے اقتباسات ذیل میں مع ترجمہ اردو ہدیہ ناظرین ہیں:

۱- عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال ان احدکم اذا مات عرض علیه مقعده بالغداه والعشی ان کان من اهل الجنه فمن اهل الجنه وان کان من اهل النار فمن اهل النار فیقال هذا مقعدک حتی یبعثک الله یوم القیامه۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح و شام کے وقت اس کا مقام اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل بہشت میں سے ہے تو اہل بہشت کے مقامات میں سے اور اہل دوزخ سے ہے تو اہل دوزخ کے مقامات میں سے پیش کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا مقام ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے۔

(صحیح بخاری، باب المیت یعرض علیه بالغداة والعشی)

۲- وقد بینا ان عرض مقعد المیت علیه من الجنه اوالنار لایدل علی ان الروح فی القبر ولا علی فنائه دائما من جمیع الوجوه بل لها اشراف و اتصال بالقبر و فنائه و ذلک القدر منها یعرض علیه مقعده فان للروح شانا آخر تکون فی الرفیق الاعلی فی اعلی علیین ولها اتصال بالبدن بحیث اذا سلم المسلم علی المیت رد الله علیه روحه فیرد علیه السلام وهی فی الملا الاعلی وانما یغلط اکثر الناس فی هذا الموضع حیث یعتقد ان الروح مما یعهد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یکن ان تکون فی غیره وهذا غلط محض بل الروح تکون فوق السموات فی اعلی علیین و ترد الی القبر فترد السلام و تعلم بالمسلم و هی فی مکانها هناک و روح رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الرفیق الاعلی دائما ویردها الله سبحانه فی القبر فترد السلام علی من سلم علیه و تسمع کلامه و قد رای رسول الله صلی الله علیه وسلم موسی قائما یصلی فی قبره و راه فی السماء السادسه اوالسابعه فاما ان تکون سریعه الحرکه و الانتقال کلمح البصر واما ان یکون المتصل منها بالقبر و فنائه بمنزله شعاع الشمس وجرمها فی السماء وقد ثبت ان روح النائم تصعد حتی تخترق

السبع الطباق و تسجد لله بين يدى العرش ثم ترد
الى جسده فى ايسر زمان و كذلك روح الميت
تصعد بها الملائكه حتى تجاوز السموات السبع
و تقفها بين يدى الله فتسجد له و يقضى فيها
قضاءه ويريه الملك ما اعدالله لها فى الجنه ثم
تهبط فتشهد غسله و حمله و دفنه وقد تقدم فى
حديث البراء بن عازب ان النفس يصعد بها حتى
توقف بين يدى الله فيقول تعالى اكتبوا كتاب
عبدى فى عليين ثم اعيدوه الى الارض فيعاد الى
القبر وذلك فى مقدار تجهيزه وتكفينه فقد صرح
به فى حديث ابن عباس رضى الله عنهما حيث قال
فيهبطون به على قدر فراغهم من غسله و اكفانه
فيدخلون ذلك الروح بين جسده و اكفانه -وقد ذكر
ابو عبدالله بن منده من حديث عيسى بن
عبدالرحمن ثنا ابن شهاب ثنا عامر بن سعد عن
اسماعيل بن طلحه بن عبيدالله عن ابيه قال اردت
مالى بالغابه فادركنى الليل فاويت الى قبر
عبدالله بن عمرو بن حرام فسمعت قراءه من القبر
ما سمعت احسن منها فجئت الى رسول الله صلى
الله عليه وسلم فذكرت ذلك له فقال ذلك
عبدالله الم تعلم ان الله قبض ارواحهم فجعلها
فى قناديل من زبرجد و ياقوت ثم علقها وسط

الجنه فاذا كان الليل ردت اليهم ارواحهم فلا يزال
كذلك حتى اذا طلع الفجر ردت ارواحهم الى
مكانهم الذى كانت به- ففى هذا الحديث بيان
سرعه انتقال ارواحهم من العرش الى الثرى ثم
انتقالها من الثرى الى مكانها و لهذا قال مالك
وغيره من الائمه ان الروح مرسله تذهب حيث
شاءت و مايراه الناس من ارواح الموتى و مجيئهم
اليهم من المكان البعيد امر يعلمه عامه الناس ولا
يشكون فيه والله اعلم و اما السلام على اهل
القبور و خطابهم فلا يدل على ان ارواحهم ليست
فى الجنه وانها على افنيه القبور فهذا سيد ولد آدم
الذى روحه فى اعلى عليين مع الرفيق الاعلى صلى
الله عليه وسلم يسلم عليه عند قبره و يرد سلام
المسلم عليه وقد وافق ابو عمر رحمه الله على ان
ارواح الشهداء فى الجنه و يسلم عليهم عند
قبورهم كما يسلم على غيرهم كما علمنا النبى
صلى الله عليه وسلم ان نسلم عليهم و كما كان
الصحابه يسلمون على شهداء احد وقد ثبت ان
ارواحهم فى الجنه تسرح حيث شاءت كما تقدم-
ولا يضيق بطنك عن كون الروح فى الملاء الاعلى
تسرح فى الجنه حيث شاءت وتسمع سلام
المسلم عليها عند قبرها و تدنو حتى ترد عليه

السلام و للروح شان آخر غیر شان البدن و هذا
جبرئیل صلوات الله وسلامه علیه راه النبی صلی
الله علیه وسلم وله ست مائه جناح منها جناهان
قد سدبهما مابین المشرق و المغرب و کان من
النبی صلی الله علیه وسلم حتی یضع رکبتیه بین
رکبتیه و یدیه علی فخذیه و ما اظنک یتسع
بطانک انه کان حینئذ فی الملا الاعلی فوق
السموات حیث مستقره وقددنا من النبی صلی
الله علیه وسلم هذا الدنو فان التصدیق بهذا له
قلوب خلقت له واهلت لمعرفته ومن لم یتسع
بطانه لهذا فهو اضیق ان یتسع للایمان بالنزول الا
لهی الی سماء الدنیا کل لیله و هو فوق سمواته
علی عرشه (الی ان قال) وممایبنغی ان یعلم ان ما
ذکرناه من شان الروح یختلف بحسب حال الارواح
من القوه و الضعف و الکبر و الصغر فللروح
العظیمه الکبیره من ذلک مالیس لمن هودونها و
انت تری احکام الارواح فی الدنیا کیف تتفاوت
اعظم تفاوت بحسب تفارق الارواح فی کیفیاتها و
قواها و ابطائها و اسراعها و المعاونه لها فللروح
المطلقه من اسر البدن و علائقه و عوائقه من
التصرف و القوه و النفاذ و الهمه وسرعه الصعود
الی الله و التعلق بالله ما لیس للروح المهینه

المحبوسه فی علائق البدن وعوائقه فاذا کان هذا
وهی محبوسه فی بدنها فکیف اذا تجردت وفارقته
واجتمعت فیها قواها و کانت فی اصل شانها روحا
علیه زکیه کبیره ذات همه عالیه فهذه ولها بعد
مفارقه البدن شان آخر و فعل آخر وقد تواتر الرویا
من اصناف بنی آدم علی فعل الارواح بعد موتها مالا
تقدر علی مثله حال اتصالها بالبدن من هزیمه
الجیوش الکثیره بالواحد والاثنین والعدد القلیل
و نحو ذلک و کم قدروئی النبی صلی الله علیه
وسلم و معه ابوبکر و عمر فی النوم قد هزمت
ارواحهم عساکر الکفر و الظلم فاذا بجیوشهم
مغلوبه مکسوره مع کثره عددهم و عددهم و
ضعف المومنین و قلتهم و من العجب ان ارواح
المومنین المتحابین المتعارفین تتلاقی وبینها
اعظم مسافه وابعدها فتتسالم وتتعارف فیعرف
بعضها بعضا کانه جلیسه وعشیره فاذا راه طابق
ذلک ما کان عرفته به روحه قبل رویته قال عبدالله
بن عمروان ارواح المومنین تتلاقی علی مسیره یوم
و ما رای احدهما صاحبه قط ورفعه بعضهم الی
النبی صلی الله علیه وسلم۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ میت پر بہشت یا دوزخ سے اس کے مقام کا
پیش کیا جانا اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ روح ہمیشہ ہر طرح سے قبر میں

ہوتی ہے یا قبر کے آس پاس ہوتی ہے' بلکہ روح کو قبر سے اور قبر کے آس پاس سے نزدیکی اور اتصال ہوتا ہے اور روح کے اتنے اتصال پر اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے کیونکہ روح کا حال اور ہی ہے۔ وہ اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہوتی ہے۔ اور اس کو بدن سے ایسا اتصال ہوتا ہے کہ جب سلام کرنے والا میت پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح اس پر لوٹا دیتا ہے' اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے حالانکہ روح ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے۔ اس مقام پر اکثر لوگ غلطی ہی کھاتے ہیں کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ روح اجسام معہودہ کی جنس سے ہے کہ جو ایک مکان میں ہوں تو ان کا دوسرے مکان میں ہونا ناممکن ہے اور یہ محض غلط ہے بلکہ روح آسمانوں کے اوپر اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے اور قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہے پس وہ سلام کا جواب دیتی ہے اور سلام کرنے والے کو پہچان لیتی ہے حالانکہ وہ وہیں اپنی جگہ میں ہوتی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ (بہشت) میں ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اسے قبر مبارک کی طرف لوٹا دیتا ہے۔(۱) پس وہ سلام کرنے والے کے سلام کا

---

(۱) ابوداؤد میں بروایت ابی ہریرہ وارد ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

مامن احد یسلم علی الارد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔	یعنی جب کوئی شخص مجھ پر سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

اس حدیث میں روح کے لوٹانے سے مراد التفات روحانی ہے جیسا کہ علامہ سبکی نے فرمایا ہے حضور ﷺ کی روح مبارک شہود حق میں مستغرق رہتی ہے' جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو آپ کی روح دوائر بشریہ کی طرف تنزل فرماتی ہے اور سلام و کلام کے سننے اور جواب کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ مصنف کے اس قول میں کہ حضور اقدس ﷺ کی روح مبارکہ ہمیشہ اعلیٰ علیین میں ہوتی ہے کلام ہے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام جسد مبارک اور

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

جواب دیتی ہے اور اس کا کلام سنتی ہے۔ اور شب معراج میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کو چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا۔ پس یا تو روح نگاہ چشم کی طرح جلدی حرکت و انتقال کر جاتی ہے یا اس کا قبر یا قبر کے آس پاس سے اتصال بمنزلہ شعاع آفتاب کے ہوتا ہے کہ جس کا جسم آسمان میں ہوتا ہے۔ اور یہ ثابت ہے کہ سونے والے کی روح اوپر چڑھتی ہے یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں کو چیر جاتی ہے اور عرش کے آگے اللہ کو سجدہ کرتی ہے۔ پھر نہایت تھوڑے وقت میں بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اسی طرح مردے کی روح کو فرشتے اوپر لے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتوں آسمانوں سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اسے اللہ کے آگے کھڑا کر دیتے ہیں' پس وہ اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور اللہ اس کے بارے میں اپنا حکم پورا کرتا ہے اور فرشتہ اس کو دکھاتا ہے جو کچھ اللہ نے بہشت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

روح شریف کے ساتھ بطریق استمرار زندہ ہیں مگر قبر شریف میں یا بہشت اعلیٰ میں؟ شیخ علاء الدین قونوی نے جو محققین شافعیہ سے ہیں حضور کے بہشت اعلیٰ میں بطریق استمرار زندہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ مگر شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ قبر شریف میں ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور یہی قول راجح بلکہ صحیح ہے اور اسی پر محدثین و فقہاء و محققین کا اجماع ہے۔ ایسا ہونا امت کے امن کا باعث ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔ اور یہ حیات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے بھی کسی طرح بہشت بریں کی حیات سے کم نہیں۔ کیونکہ احاد مومنین کی قبر کی نسبت حدیث میں وارد ہے کہ وہ بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے پس حضور ﷺ کا روضہ شریف افضل ریاض جنت ہے۔ دیگر انبیائے کرام علی نبینا و علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے بھی حیات جسمانی ثابت ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو جذب القلوب اور رسائل علامہ سیوطی۔ ابن قیم حیات جسمانی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا قائل نہیں' لہٰذا اس کا یہ قول جو خلاف احادیث و اجماع ہے' مردود اور پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اس کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ پھر وہ روح اترتی ہے اور میت کے غسل اور اٹھائے جانے اور دفن ہونے کو دیکھتی ہے۔ اور حدیث براء بن عازب میں پہلے آچکا ہے کہ فرشتے روح کو اوپر لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کے آگے پیش کر دی جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے کا نامہ علیین میں لکھو' پھر اس کو زمین کی طرف لے جاؤ' پس وہ قبر کی طرف واپس کی جاتی ہے۔ اور یہ سب کچھ تجہیز و تکفین کی مقدار میں ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث ابن عباس میں اس کی تصریح آئی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ فرشتے روح کو اتار لاتے ہیں جتنی دیر میں لوگ میت کے غسل و تکفین سے فارغ ہوتے ہیں پس وہ روح کو اس کے بدن اور کفن کے درمیان داخل کر دیتے ہیں۔

حافظ ابو عبداللہ بن مندہ نے بروایت عیسیٰ بن عبدالرحمٰن نقل کیا کہ حدیث کی ہم کو ابن شہاب نے کہ حدیث کی ہم کو عامر بن سعد نے اسماعیل بن طلحہ بن عبیداللہ سے اس نے اپنے باپ (طلحہ) سے کہ کہا میں نے جنگل میں اپنے مال کا ارادہ کیا۔ پس رات نے مجھے آگھیرا اور میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (یہ شہدائے احد میں سے ہیں) کی قبر پر پناہ لی۔ اور میں نے قبر میں سے ایسی قراءت سنی کہ اس سے اچھی نہ سنی تھی۔ پس میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ سے یہ ماجرا کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا وہ عبداللہ ہیں۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں پس ان کو زبرجد و یاقوت کی قندیلوں میں رکھا۔ پھر ان قندیلوں کو جنت کے وسط میں لٹکا دیا۔ جب رات ہوتی ہے تو ان کی روحیں ان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ پس یہی حالت رہتی ہے۔ یہاں تک کہ جب فجر ہوتی ہے تو ان کی

روحیں اس مکان کی طرف واپس کی جاتی ہیں کہ جس میں وہ تھیں۔

پس اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ ان کی روحیں عرش سے فرش تک اور پھر فرش سے اپنے مکان تک کیسی جلدی چلی جاتی ہیں۔ اسی واسطے امام مالک اور دیگر ائمہ نے فرمایا کہ روح آزاد ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے اور لوگ جو دیکھتے ہیں کہ مردوں کی روحیں دور دور سے ان کے پاس آتی ہیں' یہ ایسی بات ہے جس کو عام لوگ جانتے ہیں اور اس میں شک نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

رہا اہل قبور کو سلام و خطاب' سو یہ دلالت نہیں کرتا کہ ان کی روحیں بہشت میں نہیں ہیں یا قبروں کے آس پاس ہیں۔ دیکھئے حضور سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہے مگر قبر شریف کے پاس آپ پر سلام عرض کیا جاتا ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اور ابو عمر رحمہ اللہ اس امر میں موافق ہیں کہ شہیدوں کی روحیں بہشت میں ہیں اور ان کی قبروں کے پاس ان پر سلام کہا جاتا ہے جیسا کہ اوروں پر سلام کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم کو نبی ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ ہم ان پر سلام عرض کیا کریں اور جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احد کے شہیدوں پر سلام کہا کرتے تھے حالانکہ ثابت ہے کہ ان کی روحیں بہشت میں چرتی پھرتی ہیں جہاں چاہتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اور تیرا دل اس بات پر ایمان لانے سے تنگ نہ ہونا چاہیے کہ روح ملاء اعلیٰ میں ہوتی ہے اور بہشت میں چرتی پھرتی ہے جہاں چاہتی ہے۔ اور قبر کے پاس سلام کہنے والے کے سلام کو سن لیتی ہے اور نزدیک ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔ روح کی شان بدن کی شان سے نرالی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ الصلوۃ والسلام پر غور کیجئے کہ

آپ کو نبی ﷺ نے چھ سو بازوؤں کے ساتھ دیکھا جس میں سے دو کے ساتھ آپ نے مشرق و مغرب کے مابین کو بھرا ہوا تھا۔ اور نبی ﷺ سے اتنے نزدیک تھے کہ اپنے دونوں زانو حضور کے دونوں زانو مبارک کے آگے رکھے ہوئے تھے اور اپنے ہاتھ حضور کی دونوں رانوں پر دھرے ہوئے تھے۔ اور میں گمان نہیں کرتا کہ تیرا دل اتنا فراخ ہو کہ تصدیق کرے کہ وہ اس وقت آسمانوں کے اوپر ملاء اعلیٰ میں تھے جہاں ان کا مقام ہے۔ اور نبی ﷺ سے اتنے نزدیک بھی تھے کیونکہ اس کی تصدیق کے لیے وہ دل درکار ہیں جو اس کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور اس کی معرفت کے اہل ہیں۔ اور جس کا دل اتنا فراخ نہ ہو کہ اس کی تصدیق کرے، وہ اس بات پر کب ایمان لائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر رات پہلے آسمان کی طرف اترتا ہے حالانکہ وہ آسمانوں کے اوپر عرش(۱) پر ہے (یہاں تک کہ مصنف نے کہا) اور جاننا چاہیے کہ ہم نے جو روح کا حال بیان کیا ہے وہ روحوں کی قوت اور کمزوری اور چھٹائی بڑائی کے لحاظ سے مختلف ہوا کرتا ہے اس لیے روح عظیمہ کبیرہ کی جو شان ہے وہ اس سے کم درجہ کی روح کی نہیں ہوتی۔

---

(۱) اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کوئی جسم ہے جو عرش پر بیٹھا ہے۔ کیونکہ وہ جسمانیت اور نقل و حرکت اور احتیاج سے پاک ہے۔ اس کو عرش پر بیٹھنے کی حاجت نہیں۔ عرش نہ تھا اس نے اسے پیدا کیا۔ خلقت پر اپنی عظمت و جبروت ظاہر کرنے کے لیے نہ کہ بیٹھنے کے لیے۔ آیہ ثم استوی علی العرش میں استواء علی العرش کنایہ ہے نفس ملک و سلطنت سے بطریق ذکر لازم و ارادۂ ملزوم۔ پس معنے یہ ہیں کہ اللہ نے جب دنیا کو پیدا کیا تو اس میں حسب مقتضائے حکمت تصرف کیا جس طرح چاہا۔ مثلاً آسمانوں کو متحرک کر دیا۔ اور ستاروں کو چلا دیا و علی ہذا القیاس۔ اور عرش کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ اعظم المخلوقات ہے۔ جب اس میں نفاذ ولایت الٰہی ہے تو دیگر مخلوقات میں بطریق اولیٰ ہے۔ بعض نے اس آیت کی یوں تاویل کی ہے ثم استوی فعل التخلیق علی العرش یعنی پھر اللہ نے عرش کے پیدا کرنے کا قصد کیا۔

اور تو دیکھتا ہے کہ دنیا میں کیفیتوں اور قوتوں اور تیزی و آہستگی اور معاونت میں اختلاف کے سبب روحوں کے احکام کس قدر متفاوت ہوتے ہیں جو روح بدن کی قید اور علائق و عوائق سے آزاد ہو اس میں وہ تصرف اور قوت اور مہارت اور ہمت اور اللہ کی طرف تیز روی اور اللہ سے تعلق ہوتا ہے جو بدن کے علائق و عوائق میں گرفتار روح کو نہیں ہوتا۔ پس جب بدن میں مقید ہونے کی صورت میں یہ حال ہے تو کیا حال ہو گا جب وہ بدن سے جدا ہو جائے اور اس میں قوتیں جمع ہو جائیں اور وہ اصل شان میں بزرگ زکیہ کبیرہ اور عالی ہمت روح ہو۔ بدن سے مفارقت کے بعد روح کا تو حال ہی اور ہوتا ہے اور اس کے افعال ہی اور ہوتے ہیں، اور اصناف بنی آدم کے رویا اس امر پر متواتر ہیں کہ موت کے بعد روحیں وہ کام کرتی ہیں جو بدن میں ہونے کی حالت میں نہ کر سکتی تھیں۔ یعنی ایک دو یا عدد قلیل سے بڑے بڑے لشکروں کو شکست دینا اور اسی طرح کے اور کام۔ اور بہت دفعہ خواب میں نبی ﷺ کو دیکھا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ ہیں، اور آپ کی روحوں نے کافروں اور ظالموں کے لشکروں کو شکست دی۔ پس واقعہ میں بھی کفار کے لشکروں کو شکست ہوئی حالانکہ ان کی تعداد اور سامان زیادہ تھا اور مومنین کمزور اور تھوڑے تھے۔ اور عجائب میں سے یہ ہے کہ باہم محبت رکھنے والے اور ایک دوسرے کو پہچاننے والے مومنوں کی روحیں نہایت ہی دور فاصلے سے ملاقات کرتی ہیں۔ پس صلح کرتی ہیں اور دوسرے کو یوں پہچانتی ہیں کہ گویا وہ اس کا ہم نشین اور دوست ہے۔ پھر جب عالم شہادت میں رویت ہوتی ہے تو وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے کہ جس سے اس کی روح نے اس رویت سے پہلے اسے پہچانا تھا۔ حضرت

عبداللہ بن عمرو نے فرمایا کہ مومنوں کی روحیں ایک دن کی مسافت سے ملاقات کرتی ہیں حالانکہ ایک نے دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا اور بعض نے اس کی سند نبی ﷺ تک پہنچائی ہے۔ (کتاب الروح، ص ۲۴۳-۲۴۶)

۳- ومعلوم بالضروره ان جسده صلی الله علیه وسلم فی الارض طری مطروقد ساله الصحابه کیف تعرض صلاتنا علیک وقد ارمت فقال ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسده فی ضریحه لما اجاب بهذا الجواب وقد صح عنه ان الله وکل بقبره ملائکه یبلغونه عن امته السلام وصح عنه انه خرج بین ابی بکر وعمرو قال هکذا نبعث-هذا مع القطع بان روحه الکریمه فی الرفیق الاعلی فی اعلی علیین مع ارواح الانبیاء وقد صح عنه انه رای موسی قائما یصلی فی قبره لیله الاسراء وراه فی السماء السادسه اوالسابعه فالروح کانت هناک ولها اتصال بالبدن فی القبرو اشراف علیه و تعلق به بحیث یصلی فی قبره ویرد سلام من سلم علیه وهی فی الرفیق الاعلی ولاتنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان وانت تجد الروحین المتماثلتین المتناسبتین فی غایه التجاور والقرب وان کان بینهما بعد المشرقین و تجد الروحین المتنافرتین المتباغضتین بینهما غایه البعد و ان کان

جسداهما متجاورین متلاصقین و لیس نزول الروح وصعودها وقربها وبعدها من جنس ماللبدن فانها تصعد الی ما فوق السموات ثم تهبط الی الارض مابین قبضها ووضع المیت فی قبره وهوزمن یسیر لا یصعد البدن و ینزل فی مثله و کذلک صعودها وعودها الی البدن فی النوم والیقظه۔

یہ بالبداہت معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد(۱) مبارک زمین میں تازہ و خوشبودار ہے۔ صحابہ کرام نے آپ سے دریافت کیا کہ ہمارا درود آپ پر کیونکر پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ تو بوسیدہ ہوں گے۔ حضور ﷺ بابی ھو وامی نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ نبیوں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ کا جسد مبارک قبر شریف میں نہ ہوتا تو آپ ایسا جواب نہ دیتے اور حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی قبر شریف پر فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو امت کا سلام آپ کو پہنچاتے رہتے ہیں، اور یہ بھی حدیث صحیح ہے کہ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان نکلے اور فرمایا کہ اسی طرح ہم قیامت کو اٹھائے جائیں گے۔ یہ باوجود قطعی ہونے اس امر کے ہے کہ آپ کی روح مبارک نبیوں کی روحوں کے ساتھ اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے، اور حدیث صحیح میں ہے کہ شب معراج میں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کو چھٹے یا ساتویں آسمان میں بھی دیکھا۔ پس آپ کی روح وہاں تھی اور قبر میں بدن

(۱) حضور اقدس ﷺ قبر شریف میں جسد مبارک اور روح شریف کے ساتھ حقیقتاً زندہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا اور زمین و آسمان میں جہاں چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں۔

مبارک سے ایسا اتصال اور نزدیکی اور تعلق تھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دے رہے تھے حالانکہ روح رفیق اعلیٰ میں تھی' اور ان دو باتوں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ روحوں کی حالت بدنوں کی حالت سے نرالی ہے' اور تو دو متماثل متناسب روحوں کو نہایت نزدیک و قریب پائے گا اگرچہ ان کے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہو اور دو متنافر متباغض روحوں کے درمیان نہایت دوری پائے گا اگرچہ ان کے بدن باہم قریب و پیوستہ ہوں' اور روح کا اترنا اور چڑھنا اور نزدیک و دور ہونا اس جنس کا نہیں جو بدن کے لیے ہے کیونکہ روح تو قبض ہونے اور میت کے قبر میں دفن ہونے کے درمیانی وقت میں آسمانوں پر چلی جاتی ہے اور پھر زمین پر اتر آتی ہے اور یہ قلیل زمانہ ہوتا ہے کہ اس میں بدن اس طرح صعود و نزول نہیں کر سکتا' اور خواب و بیداری میں روح کے چڑھنے اور بدن کی طرف واپس آنے کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ (کتاب الروح' ص ۶۹-۷۰)

۴- واما قول من قال ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذهب حیث شاءت فهذا روی عن سلمان الفارسی و البرزخ هو الحاجز بین شیئین و کان سلمان ارادبها فی ارض بین الدنیا و الاخره مرسله هناك تذهب حیث شاءت وهذا قول قوی فانها قد فارقت الدنیا و لم تلج الاخره بل هی فی برزخ بینهما فارواح المومنین فی برزخ واسع فیه الروح و الریحان و النعیم وارواح الکفار فی برزخ ضیق فیه الغم والعذاب قال تعالی ومن ورائهم برزخ الی یوم

یبعثون۔

لیکن قول اس کا جس نے کہا کہ مومنوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں۔ سو یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور دو چیزوں کے درمیان حاجز کو برزخ کہتے ہیں۔ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی مراد اس سے یہ ہے کہ مومنوں کی روحیں زمین میں دنیا اور آخرت کے درمیان آزاد چھوڑی ہوئی ہیں۔ جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں اور یہ قول قوی ہے کیونکہ یہ روحیں دنیا سے جدا ہوگئیں اور آخرت میں داخل نہیں ہوئیں بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان برزخ میں ہیں۔ پس مومنوں کی روحیں ایک کشادہ برزخ میں ہیں جس میں رحمت و رزق اور نعمت ہے۔ اور کافروں کی روحیں ایک تنگ برزخ میں ہیں جس میں غم و عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اور ان کے پیچھے برزخ ہے جس دن تک اٹھائے جائیں''۔

(کتاب الروح' ص ۱۷۴)

۵- وان لها شانا غیر شان البدن وانها مع کونها فی الجنه فهی فی السماء وتتصل بفناء القبر وبالبدن فیه وهی اسرع شی حرکه وانتقالا وصعودا وهبوطا وانها تنقسم الی مرسله ومحبوسه وعلویه وسفلیه ولها بعد المفارقه صحه ومرض ولذه ونعیم والم اعظم مما کان لها حال اتصالها بالبدن بکثیر فهنالك الحبس والالم والعذاب والمرض والحسره وهنالك اللذه والراحه والنعیم والاطلاق وما اشبه حالها فی هذا البدن بحال البدن

فی بطن امه وحالها بعد المفارقه بحال بعد
خروجه من البطن الی هذه الدارفلهذه الانفس اربع
دور کل داراعظم من التی قبلها-الدار الاول فی بطن
الام و ذلک الحصر والضیق والغم والظلمات
الثلاث' الدار الثانیه هی الدار التی نشات فیها
والفتها واکتسبت فیها الخیر والشر واسباب
السعاده والشقاوه' والدار الثالثه دار البرزخ وهی
اوسع من هذه الدار واعظم بل نسبتها الیها
کنسبه هذه الدار الی الاولی' الدار الرابعه دار القرار
وهی الجنه والنار فلا دار بعدها والله ینقلها فی
هذه الدور طبقا بعد طبق حتی یبلغها الدار التی لا
یصلح لها غیرها ولا یلیق بها سواها وهی التی
خلقت لها وهیئت للعمل الموصل لها الیها ولها
فی کل دار من هذه الدور حکم وشان غیر شان الدار
الاخری۔

روح کا حال بدن کے حال سے نرالا ہے۔ وہ باوجود بہشت میں ہونے
کے آسمان میں ہوتی ہے اور قبر میں بدن سے اور قبر کے آس پاس سے
متصل ہوتی ہے اور وہ حرکت کرنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے
اور چڑھنے اور اترنے کے لحاظ سے سب سے تیز رو شے ہے اور اس کی
قسمیں یہ ہیں' مرسلہ' محبوسہ' علویہ' سفلیہ اور بدن سے مفارقت کے بعد
روح کو جو صحت و مرض اور لذت و نعمت اور الم ہوتا ہے وہ بدن میں
ہونے کی حالت سے بہت بڑھ کر ہوتا ہے۔ پس وہاں حبس اور الم اور

عذاب اور مرض اور حسرت ہوتی ہے اور وہاں لذت اور راحت اور نعمت
اور آزادی ہوتی ہے۔ اور روح کا حال اس بدن میں ماں کے پیٹ میں
بدن کے حال سے عجیب مشابہت رکھتا ہے اور مفارقت کے بعد اس کا
حال بدن کے حال سے جبکہ وہ ماں کے پیٹ سے اس دار میں آ جائے
عجیب مشابہ ہے۔ پس روحوں کے لیے چار دار (گھر) ہیں جن میں سے ہر
ایک اپنے ماقبل سے بڑا ہے۔ پہلا دار ماں کے پیٹ میں ہے اور وہ حصر
اور تنگی اور غم اور تین تاریکیاں ہیں' اور دوسرا دار وہ ہے جس میں
روحیں نشوونما پاتی ہیں اور جس سے وہ الفت رکھتی ہیں اور جس میں وہ
نیکی بدی اور اسباب سعادت و شقاوت حاصل کرتی ہیں۔ اور تیسرا دار' دار
برزخ ہے جو دوسرے دار سے وسیع ہے۔ بلکہ اس کو دوسرے دار سے
وہی نسبت ہے جو دوسرے دار کو پہلے سے' اور چوتھا دار' دار القرار ہے
اور وہ بہشت ہے یا دوزخ۔ اس دار کے بعد کوئی اور دار نہیں ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ روح کو ان داروں میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت کی
طرف بدلتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس دار میں پہنچا دیتا ہے کہ جس
کے سوا کوئی اور اس کی غایت نہیں اور نہ اس کے لائق ہے۔ اسی کے
لیے یہ پیدا کی گئی ہے اور اسی کی طرف پہنچانے والے عمل کے لیے تیار
کی گئی ہے۔ ان میں سے ہر دار میں جو حکم و شان ہے وہ دوسرے دار کے
حال سے مختلف ہے۔ (کتاب الروح' ص ۱۸۷)

۶- و مقام علیین بالائے ہفت آسمان است و پائین آں متصل سدرۃ
المنتہی است و بالائے آں متصل بپایہ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد
از قبض در آنجاے رسند و مقربان یعنی انبیاء اولیاء دراں مستقری مانند و
عوام صلحا را بعد از نویسانیدن نام و رسانیدن نامہاے اعمال بر حسب

مراتب در آسمان دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار مے دہند و تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستان بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمے شود و مثال آں در وجود انسان روح بصری است کہ ستارہ ہائے ہفت آسماں را درون چاہ مے تواند دید۔

مقام علیین سات آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور اس کا حصہ زیریں سدرۃ المنتہی کے متصل ہے۔ اور حصہ بالائی عرش مجید کے دائیں پایہ کے متصل ہے۔ نیکوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی انبیاء و اولیاء اس مقام میں رہتے ہیں اور عام نیکوں کو نام لکھانے اور اعمال نامے پہنچانے کے بعد مرتبوں کے موافق آسمان دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا چاہ زمزم میں جگہ دیتے ہیں اور ان روحوں کو قبر سے بھی تعلق ہوتا ہے کہ جس سے وہ قبر پر زیارت کرنے والوں اور رشتہ داروں اور دیگر دوستوں کے آنے سے آگاہ اور انس پذیر ہوتی ہیں۔ کیونکہ مکانی قرب و بعد روح کو اس دریافت سے نہیں روکتا اور اس کی مثال وجود انسانی میں نگاہ ہے کہ سات آسمانوں کے ستاروں کو کنوئیں کے اندر دیکھ سکتی ہیں۔ (تفسیر عزیزی، پارہ عم، سورہ مطففین)

۷- ذکر العارف باللہ تعالی الشیخ عبدالوھاب الشعرانی فی کتاب "الجواھر و الدرر" ان بعض مشایخہ ذکر لہ ان اللہ تعالی یوکل بقبر الولی ملکا یقضی حوائج الناس کما وقع للامام الشافعی والسیدہ نفیسہ وسیدی احمد البدوی رضی اللہ تعالی عنھم یعنی فی انقاذ الاسیر من

بدمن اسرہ من بلاد الفرنج و تارہ یخرج الولی من قبرہ بنفسہ و یقضی حوائج الناس لان للاولیاء الانطلاق فی البرزخ والسرح لارواحھم تحقیق قبلہ و تارہ یخرج الولی عن قبرہ الخ ان الذی علیہ المحققون من الصوفیہ ان الامر فی عالم البرزخ و الاخرہ علی خلاف عالم الدنیا فینحصر الانسان فی صورہ واحدہ یعنی فی عالم الدنیا المسمی بعالم الشھادہ الا الاولیاء کما نقل عن قضیب البان انہ روی فی صور کثیرہ و سر ذلک ان روحانیتھم غلبت جسمانیتھم فجازان یری فی صور کثیرہ وحمل علیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر لما قال وھل یدخل احد من تلک الابواب کلھا قال نعم وارجوان تکون منھم وقالوا ان الروح اذا کانت کلیہ کروح نبینا صلی اللہ علیہ وسلم ربما تظھر فی صورہ سبعین الف صورہ ذکر ذلک المحقق ابن ابی جمرہ فاذا جاز لارواح الاولیاء عدم الانحصار فی صورہ واحدہ فی عالم الدنیا فتری فی صور مختلفہ لغلبہ روحانیتھم جسمانیتھم فاحری ان لا تنحصر ارواحھم فی صورہ واحدہ فی عالم البرزخ الذی الروح فیہ اغلب علی الجسمانیہ وقالوا ایضا الولی اذا تحقق فی الولایہ مکن من التصور فی صور عدیدہ و تظھر روحانیتہ

فی وقت واحد فی جهات متعدده فالصوره التی
ظهرت لمن راها حق والصوره التی راه آخر فی مکان
آخر فی ذلک الوقت حق و لا یلزم من ذلک وجود
شخص فی مکانین فی وقت واحد لان فیماهنا
تعدد الصور الروحانیه لا الجسمانیه فاذا جاز
للروح ان تری فی صور عدیده فی دار الدنیا لمن
تحقق فی الولایه فاحری ان تری فی صور عدیده فی
عالم البرزخ الذی الغلبه فیه للارواح علی الاجسام
ویقوی ذلک ما ثبت فی السنه وصح ان النبی صلی
الله علیه وسلم رای موسی قائما یصلی فی قبره
لیله الاسراء وراه فی السماء السادسه تلک اللیله و
قد اثبت الساده الصوفیه عالما متوسطا بین
الاجساد و الارواح سموه عالم المثال و قالوا هو
الطف من عالم الاجساد و اکثف من عالم الارواح و
بنوا علی ذلک تجسد الارواح و ظهورها فی صور
مختلفه من عالم المثال وقد یستانس لذلک من
قوله تعالی فتمثل لها بشرا سویا فتکون الروح
کروح جبرئیل علیه السلام مثلا فی وقت واحد
مدبره لشبحه و لهذا الشبح المثالی فاذا جاز
تجسد الارواح و ظهورها فی صور مختلفه من
العالم المثالی فی عالم الدنیا ففی البرزخ اولی و
علی هذا فالذی یخرج من القبر الشبح المثالی

هذا تحقیق المقام ولیس وراء عبادان مقام۔
(کتاب نفحات القرب و الاتصال باثبات التصرف لاولیاء الله تعالی و الکرامات بعد الانتقال لشیخ الاسلام السید شهاب الدین احمد الحسینی الحموی الحنفی رحمه الله تعالی)

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی نے اپنی کتاب "جواہر و درر" میں ذکر کیا ہے کہ:

"کسی شیخ نے ان سے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ولی کی قبر پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا رہتا ہے جیسا کہ امام شافعی اور سیدہ نفیسہ اور سیدی احمدی بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے فرنگیوں کے شہروں میں سے پکڑے ہوئے ایک قیدی کے چھڑانے میں واقع ہوا۔ اور بعض وقت ولی بذات خود اپنی قبر سے نکلتا ہے اور لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ کیونکہ برزخ میں ولیوں کے لیے چلنا پھرنا اور ان کی روحوں کے لیے آزادی ہے۔

مصنف کے قول (اور بعض وقت ولی بذات خود اپنی قبر سے نکلتا ہے۔ الخ) کی تحقیق یہ ہے کہ محققین صوفیہ اس امر پر ہیں کہ عالم برزخ و آخرت کی حالت عالم دنیا کے خلاف ہے۔ پس انسان عالم دنیا میں کہ جس کو عالم شہادت کہتے ہیں ایک صورت میں منحصر ہوتا ہے' سوائے اولیاء اللہ کے جیسا کہ قضیب البان کی نسبت منقول ہے کہ وہ بہت سی صورتوں میں دیکھے گئے۔ اور اس میں بھید یہ ہے کہ ان کی روحانیت ان کی جسمانیت پر غالب آ گئی۔ پس جائز ہے کہ وہ بہت سی صورتوں میں دیکھا جائے' اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوال (کیا کوئی شخص

بہشت کے تمام دروازوں سے داخل ہوگا؟)(۱) کے جواب میں حضور اقدس ﷺ کا یہ فرمانا: "ہاں اور میں امید کرتا ہوں کہ تو ان میں سے ہوگا" اسی پر محمول کیا گیا ہے، اور محققین صوفیہ کا قول ہے کہ روح جب کلیہ ہو جیسا کہ ہمارے آقائے نامدار ﷺ کی روح ہے تو وہ بعض دفعہ ستر ہزار صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسے محقق ابن جمرہ نے ذکر کیا ہے۔ پس جب جائز ہوا کہ عالم دنیا میں اولیاء اللہ کی ارواح ایک صورت میں منحصر نہ رہیں بلکہ ان کی جسمانیت پر روحانیت کے غلبہ کے سبب مختلف صورتوں میں نظر آئیں تو یہ سزاوار تر ہے کہ عالم برزخ میں جہاں عالم دنیا کی نسبت روحانیت کو جسمانیت پر زیادہ غلبہ ہوتا ہے ان کی روحیں ایک صورت میں منحصر نہ رہیں۔ اور انہیں صوفیہ کرام کا قول ہے کہ ولی جب ولایت میں ثابت ہو جاتا ہے تو اسے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی قدرت دی جاتی ہے اور اس کی روحانیت ایک وقت میں متعدد اطراف میں ظاہر ہوتی ہے۔ پس وہ صورت جو ایک دیکھنے والے کو نظر آئی حق ہے اور وہ صورت جو دوسرے دیکھنے والے کو اسی وقت دوسرے مکان میں نظر آئی وہ بھی حق ہے۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص ایک وقت میں دو مکانوں میں پایا جائے کیونکہ یہاں روحانی صورتوں کا تعدد ہے نہ کہ جسمانی صورتوں کا۔ پس جب ثابت فی الولایہ کی روح کے لیے جائز ہوا کہ وہ عالم شہادت میں کئی صورتوں میں نظر آئے تو یہ سزاوار تر ہے کہ عالم برزخ میں جہاں ارواح کو اجسام پر غلبہ

(۱) حدیث مبارک کے الفاظ یہ ہیں:

فہل یدعی احد من تلک الابواب کلها۔ — پس آیا کوئی ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔

(مشکوۃ، کتاب الزکوۃ، باب فضل الصدقہ)

ہوتا ہے کئی صورتوں میں دیکھی جائے۔ اور اس کی تائید کرتا ہے وہ امر جو حدیث صحیح میں ثابت ہے کہ شب معراج حضور اقدس ﷺ نے دیکھا کہ حضرت موسیٰ ﷺ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں اور آپ کو اسی رات چھٹے آسمان میں بھی دیکھا۔ اور مشائخ صوفیہ نے اجساد و ارواح کے بین بین ایک عالم ثابت کیا ہے جس کا نام انہوں نے عالم مثال رکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم عالم اجساد سے لطیف تر اور عالم ارواح سے کثیف تر ہے۔ اور اسی پر انہوں نے عالم مثال سے ارواح کا تجسد اور ان کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا بنا کیا ہے اور کبھی اس کی تائید کے لیے اللہ تعالیٰ کے قول فتمثل لها بشرا سویا (پس وہ فرشتہ حضرت مریم کے آگے پورے انسان کی شکل بن گیا) میں دیکھا جاتا ہے۔ پس اس صورت میں روح مثلاً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی روح ایک وقت میں اپنے جسم کی مدبر ہوگی اور جسم مثالی کی بھی۔ پس جب عالم مثال سے روحوں کا تجسد اور ان کا مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا عالم دنیا میں جائز ہوا تو عالم برزخ میں بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ اس تقریر کے موافق جو قبر سے نکلتا ہے وہ جسم مثالی ہے۔ یہ اس مقام کی تحقیق ہے اور عبادان(۱) کے آگے کوئی اور مقام نہیں۔ (نفحات(۲) القرب والاتصال باثبات التصرف لاولیاء اللہ تعالیٰ والکرامات بعد الانتقال لشیخ الاسلام شہاب الدین احمد الحسینی الحموی الحنفی)

(۱) یہ مقام بصرہ کے نیچے سمندر کے متصل واقع ہے جس سے آگے کوئی اور مقام نہیں۔ پس ضرب المثل سے یہاں یہ مراد ہے کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہی تحقیق ہے۔

(۲) یہ رسالہ شفاء السقام للعلامہ السبکی مطبوعہ مصر کے اخیر میں منضم ہے۔

۹۔ اہل قبور سے استمداد

استمداد باہل قبور سے مراد یہ ہے کہ کوئی صاحب حاجت کسی بزرگ کے مزار پر حاضر ہو کر خدا سے یوں دعا مانگے:

"یاخدا اپنے اس بندے کی برکت سے جس پر تیری رحمت اور فضل ہے اور اس لطف و کرم سے جو اس پر ہے تو میری فلاں حاجت پوری کردے" یا صاحب قبر کو یوں پکارے "اے خدا کے پیارے بندے میری شفاعت کر اور خدا سے سوال کر کہ وہ میری فلاں حاجت پوری کردے"۔ ہر دو صورت میں معطی و قاضی الحاجات و متصرف حقیقی اللہ عزوجل ہے اور صاحب قبر درمیان میں صرف ایک وسیلہ ہے۔ اگر اس قسم کی امداد و استمداد کو شرک کہا جائے تو چاہیے کہ حالت حیات میں بھی صالحین سے توسل اور طلب دعا و مدد ممنوع ہو حالانکہ وہ منع نہیں بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے: وتعاونوا علی البر والتقوی (اور آپس میں مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری پر) اور حضرت عیسیٰ علے نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام سے حکایتاً مذکور ہے: من انصاری الی اللہ (کون میرے مددگار ہیں اللہ کی راہ میں) اسی طرح قصہ ذوالقرنین میں ہے: فاعینونی بقوہ اجعل بینکم وبینھم ردما (کہف: ع۱۱) یعنی (سو مدد کرو میری محنت میں بنادوں تمہارے ان

کے بیچ ایک دھابا۔)

یعنی عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی میگوید کہ ہر کہ در حیات وے بوے توسل و تبرک جویند بعد از موتش نیز تواں جست۔ و ایں سخن موافق دلیل است چہ بقائے روح بعد از موت بدلالت احادیث و اجماع علماء ثابت است۔ و متصرف در حیات و بعد از ممات روح است نہ بدن۔ و متصرف حقیقی حق تعالیٰ است۔ و ولایت عبارت از فنا فی اللہ و بقا بدوست و ایں نسبت بعد از موت اتم و اکمل است۔ و نزد ارباب کشف و تحقیق مقابلہ روح زائر باروح مزور موجب انعکاس اشعۃ لمعات انوار و اسرار شود در رنگ مقابلہ مرات بمرات۔ و اولیا را ابدان مکتسبہ مثالیہ نیز بود کہ بداں ظہور نمایند و امداد و ارشاد طالبان کنند و منکران را دلیل و برہان بر انکار آں نیست۔ (تکمیل الایمان، ص ۴۳)

اگر منکرین اپنے انکار کی وجہ یہ بتائیں کہ موتی سنتے نہیں تو اس کی تردید کماحقہ ہو چکی ہے اور اگر یوں کہیں کہ موت کے بعد تصرف منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا جواب بھی عبارت شیخ میں مذکور ہے بلکہ اس کتاب میں اس سے پہلے بھی آچکا ہے کہ ارواح کا تصرف موت کے بعد حیات کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، حجۃ اللہ البالغہ (جزء اول، باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ، ص ۴۴) میں طبقات اہل برزخ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وربما اشتغل ھولاء باعلاء کلمہ اللہ ونصر حزب اللہ وربما کان لھم لمہ خیر بابن آدم۔	کبھی یہ پاک روحیں خدا کا بول بالا کرنے اور خدا کے لشکر کو مدد دینے میں مشغول ہوتی ہیں اور کبھی بنی آدم پر افاضہ خیر کے لیے نازل ہوتی ہیں۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں آیہ ثم اماتہ فاقبرہ کی تفسیر میں مردے کو جلانے کے عیوب ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

و نیز در سوختن بہ آتش تفریق اجزائے بدن میت است کہ بسبب آں علاقہ روح از بدن انقطاع کلی مے پزیرد و آثار ایں عالم باں روح کمتر میرسد و کیفیات آں روح بایں عالم کمتر سرایت میکند و در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشند۔ علاقہ روح بابدن از راہ نظر و عنایت بحال مے ماند' و توجہ روح بزائرین و مستانسین و مستفیدین بہ سہولت مے شود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است۔ و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چوں در آں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع مے شود۔ پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است۔ و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن۔ بنا برایں است کہ از اولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع و استفادہ جاری است و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ ایں چیزہا اصلا نسبت بانہا در اہل مذہب آنہا نیز واقع نیست۔

شاہ صاحب دوسری جگہ (سورۂ انشقاق) یوں تحریر فرماتے ہیں:

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلہ جارح تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد۔ و اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از آنہا مے نمایند۔ و ارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود از آنہا مے طلبند و مے یابند و زبان حال آنہا در آنوقت ہم مترنم بایں مقالات است۔

ع من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ اپنے مکتوبات شریف (جلد دوم' مکتوب ۵۸) میں تحریر فرماتے ہیں:

ہرگاہ جنیاں را بہ تقدیر اللہ سبحانہ ایں قدرت بود کہ متشکل باشکال گشتہ اعمال غریبہ بوقوع آرند۔ ارواح کمل را اگر ایں قدرت عطا فرمایند چہ محل تعجب است و چہ

احتیاج بہ بدن دیگر۔ ازیں قبیل است آنچہ از بعضے اولیاء اللہ نقل می کنند کہ دریک آن در اکنہ متعددہ حاضری گردند و افعال متبائنہ بوقوع مے آرند۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ (باب زیارۃ القبور) میں ہے:

سیدی احمد زروق کہ از اعاظم فقہاء و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ امداد حی اقوی است یا امداد میت۔ من بگفتم قومے میگویند کہ امداد حی قوی تر است و من مے گویم کہ امداد میت قوی ترست۔ پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وے در بساط حق است و در حضرت اوست۔ و نقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازاں است کہ حصر و احصاء کردہ شود و یافتہ نمی شود در کتاب و سنت و اقوال سلف صالح کہ منافی و مخالف ایں باشد و رد کند ایں را۔

علامہ شطنوفی بہجۃ الاسرار میں شیخ عقیل منبجی ؓ کے حال میں لکھتے ہیں:

وھواحد الاربعہ الذی قال فیھم الشیخ علی القرشی رضی اللہ عنہ رایت اربعہ من المشائخ یتصرفون فی قبورھم کتصرف الاحیاء الشیخ عبدالقادر والشیخ معروف الکرخی و الشیخ عقیل المنبجی و الشیخ حیاہ بن قیاس الحرانی رضی اللہ عنھم۔	یہ ان چار بزرگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں شیخ علی قرشی ؓ نے یوں فرمایا ہے کہ میں نے مشائخ میں سے چار کو دیکھا جو اپنی قبروں میں زندوں کی طرح تصرف فرماتے ہیں اور وہ یہ ہیں شیخ عبدالقادر' شیخ معروف کرخی' شیخ عقیل منبجی اور شیخ حیات بن قیس حرانی رضی اللہ تعالی عنہم۔

بعض لوگ مزارات اولیاء اللہ کی طرف سفر کرنے کو منع کرتے ہیں اور منع پر بطور دلیل یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

لاتشد الرحال الا الی ثلاثه مساجد مسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصی۔

نہ باندھے جائیں کجاوے مگر تین مسجدوں کی طرف یعنی مسجد حرام اور میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

یہ حدیث بے شک صحیح ہے مگر اس کے معنے وہ نہیں جو مانعین خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن حجر مکی' ابن تیمیہ کے قول کی تردید میں لکھتے ہیں:

قلت لیس معنی الحدیث مافهم لما یاتی موضحا و انما معناه لا تشد الرحال الی مسجد لاجل تعظیمه و التقرب بالصلاه فیه الا الی المساجد الثلاثه لتعظیمها بالصلاه فیها وهذا التقدیر لا بد منه عند کل احد لیکون الاستثناء متصلا و کان شد الرحل الی عرفه لقضاء النسک واجب اجماعا و کذا الجهاد والهجره من دارالکفر بشرطها وهو لطلب العلم سنه او واجب و قد اجمعوا علی جواز شدها للتجاره و حوائج الدنیا فحوائج الاخره لا سیما ما هو اکدها و هوالزیاره للقبر الشریف اولی و مما یدل ایضا لتاویل الحدیث بما ذکر التصریح به فی حدیث سنده حسن وهو قوله صلی الله علیه وسلم لا ینبغی للمطی ان تشدر حالها الی مسجد یبتغی فیه الصلاه غیر المسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصی۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے معنے وہ نہیں جو ابن تیمیہ سمجھا ہے بنا بر اس دلیل کے جو بوضاحت آگے آتی ہے۔ اس کے معنے تو یہ ہیں کہ کسی مسجد کی طرف اس کی تعظیم اور اس میں نماز کے ساتھ تقرب کے لیے کجاوے نہ باندھے جائیں سوائے تین مسجدوں کے کہ جن کی طرف ان میں نماز کے ساتھ تقرب کے لیے کجاوے باندھنے چاہئیں۔ ہر ایک کے نزدیک یہ تقدیر ضروری ہے تاکہ استثناء متصل ہو اور اس لیے کہ عرفات کی طرف فریضہ حج ادا کرنے کے لیے سفر کرنا بالاتفاق واجب ہے اور اسی طرح جہاد کرنا اور دارالکفر سے ہجرت کرنا (جبکہ ہجرت کی شرط پائی جائے اور وہ طلب علم کے لیے ہونا ہے) سنت یا واجب ہے اور اس امر پر اجماع ہے کہ تجارت اور دنیوی حوائج کے لیے سفر کرنا جائز ہے' لہٰذا اخروی حوائج کے لیے اور بالخصوص اس کے لیے جو ان میں سب سے آکد و اہم ہے اور وہ حضور اقدس ﷺ کی قبر شریف کی زیارت ہے سفر کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوا۔ ہم نے اس حدیث کی جو تاویل کی وہ درست ہے کیونکہ اس کی تصریح دوسری روایت میں موجود ہے جس کی سند حسن ہے۔ اور وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ہے لا ینبغی(۱) للمطی ان تشد رحالها الی

(۱) و قد روی ابن شبه بسند حسن ان ابا سعید یعنی الخدری رضی الله عنه ذکر عنده الصلاه فی الطور فقال قال رسول الله ﷺ لا ینبغی للمطی ان تشد رحالها الی مسجد یبتغی فیه الصلاه غیر المسجد الحرام و مسجدی هذا والمسجد الاقصی۔

ابن شبہ نے بہ سند حسن روایت کی کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوہ طور میں نماز کا ذکر آیا تو آپ نے کہا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نہ چاہیے کہ اونٹنی کے کجاوے کسی مسجد کی طرف باندھے جائیں۔ (الخ)

(وفاء الوفا' للسمہودی' جزء ثانی' ص ۴۱۳)

مسجد یبتغی فیہ الصلاہ (الحدیث) نہ چاہیے کہ اونٹنی کے کجاوے کسی مسجد کی طرف باندھے جائیں جس میں نماز مقصود ہو سوائے مسجد حرام اور میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ کے۔

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم، ص ۱۶)

علامہ شہاب خفاجی حنفی شفائے قاضی عیاض کی شرح میں لکھتے ہیں:

والصحیح انہ ماول ای لا تشدالرحال لنذرالعبادہ الا فیہا ولذا قالوا لو نذر الصلاہ فی غیرہا لم تلزمہ فلا یکرہ لہ شد الرحل لبعض الاماکن المتبرکۃ بہا او لزیارہ من فیہا من الصالحین اولطلب العلم بل قد یکون ھذا واجبا علیہ۔

اور صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث مؤول ہے۔ یعنی نذر عبادت کے لیے ان تین مسجدوں کے سوااور کسی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں۔ اسی واسطے علماء نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے سوا کسی اور مسجد میں نماز کی نذر مانے تو اسے لازم نہیں۔ پس بعض متبرک مکانوں کے لیے یا وہاں کے صالحین کی زیارت کے لیے یا طلب علم کے لیے سفر کرنا مکروہ نہیں بلکہ بعض وقت یہ واجب ہوتا ہے۔

(نسیم الریاض، جزء ثالث، ص ۵۸۰)

علامہ شامی (رد المحتار، جزء اول، ص ۶۶۴) لکھتے ہیں:

و ردہ الغزالی بوضوح الفرق فان ماعدا تلک المساجد الثلاثہ مستویہ فی الفضل فلا فائدہ فی الرحلہ الیہا و اما الاولیاء

اور مانعین کے منع کو امام غزالی نے رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ فرق ظاہر ہے کیونکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور مسجدیں فضیلت میں یکساں ہیں۔ پس ان کی طرف سفر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔

فانہم متفاوتون فی القرب من اللہ تعالی و نفع الزائرین بحسب معارفہم واسرارہم قال ابن حجر فی فتاواہ ولاتترک لمایحصل عندھا من منکرات و مفاسد کاختلاط الرجال بالنساء وغیر ذلک لان القربات لا تترک لمثل ذلک بل علی الانسان فعلہا وانکار البدع بل وازالتہا ان امکن۔

رہے اولیاء کرام، سو وہ قرب الٰہی اور زائرین کو فائدہ پہنچانے میں بہ حسب معارف و اسرار متفاوت ہیں۔ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں کہا کہ مزارات اولیاء کو اس لیے نہ چھوڑنا چاہیے کہ ان پر منکرات و مفاسد وقوع میں آتے ہیں مثلاً مردوں کا عورتوں سے اختلاط وغیرہ، کیونکہ ایسی وجہ سے قربات کو ترک نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ایسی قربات بجا لائے اور بدعتوں کو برا جانے بلکہ اگر ہو سکے تو بدعتوں کو دور کرے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ مزارات انبیاء و اولیاء و صالحین کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں:

اما التقرب لمشاھد الانبیاء و الائمہ علیہم الصلاہ والسلام فان المقصود منہ الزیارہ و الاستمداد من سوال المغفرہ و قضاء الحوائج من ارواح الانبیاء و الائمہ علیہم السلام و العبارہ من ھذا الامداد الشفاعہ وھذا یحصل من جھتین الاستمداد من ھذا الجانب و الامداد من الجانب الاخر و لزیارہ المشاھد اثر عظیم فی ھذین الرکنین اما الاستمداد فھو بانصراف ھمہ صاحب

الحاجه باستیلاء ذکر الشفیع و المزور علی
الخاطرحتی تصیر کلیه همته مستغرقه فی ذلک
و یقبل بکلیته علی ذکره و خطوره بباله و هذه
الحاله سبب منبه لروح ذلک الشفیع اوالمزور
حتی تمده تلک الروح الطیبه بما یستمد منها و
من اقبل فی الدنیا بهمته و کلیته علی انسان فی
دار الدنیا فان ذلک الانسان یحس باقبال ذلک
المقبل علیه ویخبره بذلک فمن لم یکن فی هذا
العالم فهواولی بالتنبیه وهومهیالذلک التنبیه
فان اطلاع من هو خارج من احوال العالم الی بعض
احوال العالم ممکن کما یطلع فی المنام علی
احوال من هو فی الاخره اهو مثاب او معاقب فان
النوم صنو الموت و اخوه فبسبب النوم صرنا
مستعدین لمعرفه احوال لم نکن مستعدین فی
حاله الیقظه لها فکذلک من وصل الی الدار
الاخره و مات موتا حقیقیا کان بالاطلاع علی هذا
العالم اولی واحری فاما کلیه احوال هذا العالم فی
جمیع الاوقات لم تکن مندرجه فی سلک
معرفتهم کمالم تکن احوال الماضین حاضره فی
معرفتنا فی منامنا عند الرءیا ولا حاد المعارف
معینات ومخصصات منهاهمه صاحب الحاجه و
هی استیلاء صاحب تلک الروح العزیزه علی

صاحب الحاجه و کما توثر مشاهده صوره الحی
فی حضورذکره وخطورنفسه بالبال فکذلک توثر
مشاهده ذلک المیت و مشاهده تربته التی هی
حجاب قالبه فان اثر ذلک المیت فی النفس عند
غیبه قالبه و مشهده لیس کاثره فی حال حضوره
ومشاهده قالبه ومشهده ومن ظن انه قادر علی ان
یحضر فی نفس ذلک المیت عند غیبه مشهده
کما یحضر عند مشاهده مشهده فذلک ظن
خطا فان للمشاهده اثرا فینا لیس للغیبه مثله و
من استعان فی الغیبه بذلک المیت لم تکن هذه
الاستعانه ایضا جزافا ولا تخلو من اثرما

انبیاء و ائمہ علیہم الصلوۃ والسلام کے مزارات پر حاضر ہونے سے
مقصود ان کی زیارت اور ان کی ارواح سے استمداد یعنی مغفرت و قضائے
حاجات کا سوال ہے اور اس امداد سے مراد شفاعت ہے' اور یہ مطلب دو
جہت سے حاصل ہوتا ہے یعنی اس طرف سے مدد مانگنا اور دوسری طرف
سے مدد دینا۔ اور ان دونوں رکنوں میں زیارت مزارات کا بڑا اثر ہے۔
استمداد کا طریق یہ ہے کہ صاحب حاجت کی ہمت یوں مصروف ہو کہ
شفیع و مزور کا ذکر اس کے دل پر غالب آجائے یہاں تک کہ اس کی کلی
ہمت اس مزور میں مستغرق ہو جائے اور وہ بتمامہ اس مزور کے ذکر اور
اسے اپنے دل میں لانے پر متوجہ ہو۔ یہ حالت اس شفیع یا مزور کی آگاہی
کا سبب ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ پاک روح اس کی مدد کرتی ہے اس چیز
کے ساتھ جو اس سے طلب کی گئی ہے' اور جو شخص اس دنیا میں اپنی

ہمت سے ہمہ تن کسی انسان کے دنیوی گھر پر متوجہ ہو وہ انسان اس کے آنے کو محسوس کرتا ہے اور اسے اس کی خبر دیتا ہے۔ پس جو شخص اس جہان میں نہ ہو' وہ مطلع ہونے کا زیادہ سزاوار ہے اور اس میں اس آگاہی کی استعداد ہے۔ کیونکہ جو شخص اس عالم کے احوال سے خارج ہو اس کا اس عالم کے بعض حالات سے آگاہ ہو جانا ممکن ہے جیسا کہ خواب میں اس شخص کے حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے جو آخرت میں ہو کہ آیا وہ نعیم میں ہے یا عذاب میں ہے۔ کیونکہ موت نیند کی بہن ہے۔ پس جس طرح نیند کے سبب ہم میں ان حالات کے جاننے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ جن کی معرفت کی استعداد ہم میں حالت بیداری میں نہ تھی اسی طرح جو شخص دار آخرت میں پہنچ جاتا ہے اور حقیقی موت مرتا ہے وہ اس عالم کے حالات سے مطلع ہونے کا زیادہ سزاوار ہے لیکن تمام اوقات میں اس عالم کے تمام حالات سے واقف ہونا ان کی معرفت کے سلسلے میں مندرج نہیں جیسا کہ سوتے وقت خواب میں تمام گزشتہ لوگوں کے حالات ہماری معرفت میں حاضر نہیں ہوتے اور (عالم برزخ میں) آحاد معارف کی تعیین و تخصیص کرنے والے کئی امر ہیں' منجملہ ان کے صاحب حاجت کی ہمت ہے اور وہ صاحب روح کا صاحب حاجت پر غلبہ پانا ہے اور جس طرح زندے کی صورت کا مشاہدہ اس کا ذکر حاضر ہونے اور دل میں آنے میں اثر کرتا ہے' اسی طرح اس میت کا مشاہدہ اور اس کی قبر کا مشاہدہ جو اس کے قالب کا حجاب ہے اثر کرتا ہے۔ کیونکہ میت کے قالب اور مزار کی غیوبت کے وقت اس کا اثر ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ اس کے حضور اور اس کے قالب و مزار کے مشاہدے کی حالت میں ہوتا ہے۔ جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ میں اس میت کے نفس میں مزار کی

غیوبت کے وقت اسی طرح حاضر ہونے پر قادر ہوں جیسا کہ اس کے مزار کے مشاہدے کے وقت قادر ہوں اس کا یہ گمان غلط ہے۔ کیونکہ مشاہدے کا ہم میں وہ اثر ہوتا ہے جو غیوبت کا نہیں ہوتا۔ اور جو شخص غیوبت میں اس میت سے مدد طلب کرے' وہ استعانت بھی بے فائدہ نہیں اور کسی نہ کسی اثر سے خالی نہیں۔ (المضنون الکبیر' ص۲۸-۲۹)

علامہ شہاب الدین احمد سجائی اپنے رسالہ اثبات کرامات الاولیاء (یہ رسالہ شفاء السقام للسبکی مطبوعہ مصر کے اخیر میں منضم ہے) میں لکھتے ہیں:

قال صاحب الحصن الحصين وجربت استجابه الدعاء عند قبور الصالحين بشروط معروفه وقال العارف بالله تعالى سيدى محمد بن عبدالقادر الفاسى وقد كان الامام الشافعى يقول قبر موسى الكاظم الترياق المجرب قال العارف بالله احمد زروق قال ابو عبدالله واذا كانت الرحمه تنزل عند ذكرهم فما ظنك بمواطن اجتماعهم على ربهم ويوم قدومهم عليه بالخروج من هذه الدار وهو يوم وفاتهم فزيارتهم فيه تهنئه لهم وتعرض لما يتجدد من نفحات الرحمه عليهم فهى اذا مستحبه ان سلمت من محرم او مكروه فى اصل الشرع كاجتماع النساء وتلك الامور التى محدث۔

صاحب حصن حصین نے کہا کہ شروط معروفہ کے ساتھ صالحین کی قبروں کے پاس دعا کے قبول ہونے کا میں نے تجربہ کیا ہے' اور عارف ربانی سیدی محمد بن عبدالقادر فاسی نے کہا کہ امام شافعی فرماتے تھے کہ امام

موسیٰ کاظم کی قبر تریاق مجرب ہے۔(۱) عارف ربانی احمد زروق نے کہا کہ ابو عبداللہ نے فرمایا کہ جب صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے تو تیرا کیا گمان ہے صالحین کے مزارات کی نسبت (جو ان کے اپنے رب سے ملنے کے مواطن ہیں) اور ان کے یوم وفات کی نسبت (جو ان کے اس دار فانی سے نکل کر اپنے رب کے آگے جانے کا دن ہے) پس اس دن ان کی زیارت کرنا ان کو مبارک باد کہنا ہے اور ان نفحات رحمت کو طلب کرنا ہے جو ان پر نئے وارد ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں زیارت مستحب ہے بشرطیکہ ایسی بات سے خالی ہو جو شرع میں مکروہ یا حرام ہے۔ مثلاً عورتوں کا اجتماع اور وہ امور جو نئے پیدا ہوتے ہیں۔

قرآن مجید میں حضرت یحییٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت وارد ہے:

وسلام علیہ یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا۔

اور سلام اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن وفات پائے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔

اور حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے حکایتاً آیا ہے:

والسلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا۔

اور سلام مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

(۱) علامہ دمیری حیات الحیوان (ج ۲ طبع ثانی ص ۱۸۵) میں لکھتے ہیں:

واما معروف فھو ابن قیس الکرخی کان مشھورا باجابہ الدعاء واھل بغداد یستسقون بقبرہ ویقولون قبر معروف تریاق مجرب۔

یعنی حضرت معروف بن قیس کرخی اجابت دعا میں مشہور تھے اور اہل بغداد آپ کی قبر مبارک سے طلب باراں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت معروف کی قبر تریاق مجرب ہے۔

قرآن کی ان آیتوں میں بھی یہی اشارہ پایا جاتا ہے کہ یوم میلاد و یوم وفات میں خاص نفحات رحمت کا نزول ہوتا ہے اور یوم بعث میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیسے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو صالحین کے مزارات پر بالخصوص ان کے میلاد و وفات کے روز حاضر ہو کر انوار خاصہ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اہل قبور سے استمداد جائز بلکہ مستحسن ہے۔ بعض مبتدی آیہ وایاک نستعین سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا منع ہے۔ ہم کہتے ہیں بے شک منع ہے جبکہ ہم اولیاء اللہ کو حقیقی حاجت روا اور بالاستقلال متصرف و معین سمجھیں۔ مگر جب ان کو وسیلہ و مظہر عون الٰہی سمجھا جائے تو منع نہیں۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تفسیر عزیزی میں اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:

> در ایں جا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد بر آں غیر باشد و اورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است۔ و اگر التفات محض بجانب حق است و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ در آں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود۔ و در شرع نیز جائز و رواست۔

ایک مرد خدا کی وصیت ذیل قابل غور ہے:

وقال سیدی شمس الدین محمد رضی اللہ عنہ فی مرض موتہ من کانت لہ حاجہ فلیات الی قبری و یطلب حاجتہ اقضھا لہ فانہ ما بینی و بینکم غیر ذراع من تراب وکل رجل

سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۴۷ھ) نے اپنے مرض موت میں فرمایا جس کو کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر آئے اور اپنی حاجت طلب کرے میں اس کی حاجت پوری کروں گا کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہاتھ مٹی ہوگی۔ جس شخص کو ایک ہاتھ

یحجبه عن اصحابه ذراع — مٹی اپنے اصحاب کی مدد سے مانع ہو' وہ
من تراب فلیس برجل۔ — مرد نہیں۔

(طبقات الکبریٰ للشعرانی' جزء ثانی' ص۸۶)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کاملین سے استمداد کا طریق یوں تحریر فرماتے ہیں:

طریق استمداد از ایشاں آنست کہ جانب سر قبراو سورہ بقرہ انگشت بر قبر نہادہ تا مفلحون بخواہد باز بطرف پائیں قبر بیاید و آمن الرسول تا آخر سورہ بخواند و بزبان گوید اے حضرت من برائے فلاں کار در جناب الہی التجا و دعا میکنم شما نیز بدعا و شفاعت امداد من نمائید باز روبہ قبلہ آرد و مطلوب خود را از جناب باری خواہد۔

(فتاویٰ عزیزیہ 'مطبوعہ مجتبائی دہلی' جلد اول' ص۱۷۷)

مسافت بعید سے اولیاء اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور ان سے توسل کرنا بھی جائز ہے۔ بعض نادان جہالت میں یہاں تک ڈوبے ہوئے ہیں کہ جہاں کسی نے یارسول اللہ کہا انہوں نے جھٹ کہہ دیا کہ یہ شرک ہے۔ حالانکہ یہ خود حضور اقدس بابی ھو وامی کی تعلیم ہے۔ چنانچہ خصائص کبریٰ للسیوطی (مطبوعہ دائرۃ العارف حیدر آباد دکن' جزء ثانی' ص۲۰۱) میں ہے:

اخرج البخاری فی تاریخه والبیهقی فی الدلائل والدعوات وصححه و ابونعیم فی المعرفه عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریرا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال ادع الله تعالی لی ان یعافینی قال ان شئت اخرت ذلک وهو خیر لک وان شئت دعوت الله قال فادعه فامره ان یتوضاء فیحسن الوضوء ویصلی رکعتین ویدعو بهذا الدعاء اللهم

انی اسالک واتوجه الیک بنبیک محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمه یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لیقضیها لی اللهم شفعه فی ففعل الرجل فقام وقد ابصر۔

واخرج البیهقی وابو نعیم فی المعرفه عن ابی امامه بن سهل بن حنیف ان رجلا کان یختلف الی عثمان بن عفان فی حاجه وکان عثمان لا یلتفت الیه ولا ینظر فی حاجته فلقی عثمان بن حنیف فشکا الیه ذلک فقال له ائت المیضاه فتوضا ثم ائت المسجد فصل رکعتین ثم قل اللهم انی اسالک و اتوجه الیک بنبیک محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمه یا محمد انی اتوجه بک الی ربی لیقضی لی حاجتی واذکر حاجتک فانطلق الرجل وصنع ذلک ثم اتی باب عثمان بن عفان فجاء البواب فاخذ بیده فادخله علی عثمان فاجلسه معه علی الطنفسه فقال انظر ما کانت لک من حاجه ثم ان الرجل خرج من عنده فلقی عثمان بن حنیف فقال له جزاک الله خیرا ما کان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت الی حتی کلمته قال ما کلمته ولکنی رایت النبی صلی الله علیه وسلم و جاءه ضریر فشکا الیه ذهاب البصر فقال له او تصبر قال یارسول الله لیس لی قائد وقد شق علی

فقال ائت المیضاه فتوضا وصل رکعتین ثم قل اللهم انی اسالک واتوجه الیک بنبیک محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمه یا محمد انی اتوجه بک الی ربی لیجلی لی عن بصری اللهم شفعه فی وشفعنی فی نفسی قال عثمان فوالله ما تفرقنا حتی دخل الرجل کان لم یکن به ضرر۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور بیہقی نے دلائل و دعوات میں (اور بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے) اور ابو نعیم نے معرفت میں بروایت (یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے۔ مشکوۃ کتاب اسماء اللہ تعالیٰ' باب جامع الدعاء' فصل ثالث) عثمان بن حنیف نقل کیا ہے کہ ایک نابینا نبی ﷺ کی خدمت میں آیا۔ اور عرض کی کہ میرے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے شفا دے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے میں اس میں تاخیر کرتا ہوں اور یہ تیرے لیے بہتر ہے' اور اگر تو چاہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں۔ اس نے عرض کی آپ اللہ سے دعا کریں۔ پس آپ نے اس سے فرمایا کہ وضو کرو اور اچھی طرح وضو کرو اور دو رکعت نفل پڑھ کر یوں دعا مانگو:

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ تیرے پیغمبر محمد ﷺ کے جو نبی الرحمہ ہیں۔ یا محمد میں متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ آپ کے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں تاکہ وہ اسے میرے لیے پورا کر دے۔ اے اللہ میرے حق میں حضور کی شفاعت کو قبول کر۔ اس نابینا نے ایسا ہی کیا۔ پس وہ اٹھا تو بینا تھا۔

اور بیہقی نے اور حافظ ابو نعیم نے معرفت میں بروایت ابو امامہ بن

سہل بن حنیف نقل کیا ہے کہ ایک شخص کسی حاجت کے لیے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ مگر آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اس کی حاجت میں غور نہ فرماتے۔ پس وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے اس امر کی شکایت کی۔ پس حضرت عثمان بن حنیف نے اس سے کہا کہ وضو کی جگہ جاکر وضو کرو پھر مسجد میں آکر دو رکعت نفل پڑھو پھر یہ دعا مانگو: اللهم انی اسالک واتوجه الیک بنبیک محمد صلی الله علیه وسلم نبی الرحمه یا محمد انی اتوجه بک الی ربی لیقضی لی حاجتی اور اپنی حاجت بیان کرو۔ پس وہ شخص چلا گیا اور اسی طرح کیا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا۔ پس دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا آپ نے اسے اپنے ساتھ فرش پر بٹھایا اور فرمایا کہ تیری جو حاجت ہے میں اس میں غور کرتا ہوں۔ پھر وہ شخص وہاں سے نکلا اور حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور کہنے لگا اللہ تجھے نیک جزا دے۔ وہ میری حاجت میں غور نہ کرتے تھے اور میری طرف متوجہ نہ ہوتے تھے یہاں تک کہ آپ نے وہ عمل بتایا۔ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا میں نے وہ عمل نہیں بتایا بلکہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ ایک نابینا آپ کی خدمت اقدس میں آیا اور آپ سے شکایت کی کہ میری بینائی جاتی رہی۔ حضور نے فرمایا کیا تو صبر کر سکتا ہے؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وضو کی جگہ جا کر وضو کر اور دو رکعت نفل پڑھ پھر یوں دعا مانگ: اللهم انی اسالک و اتوجه الیک بنبیک

محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمہ
یامحمد انی اتوجہ بک الی ربی لیجلی لی عن
بصری اللھم شفعہ فی وشفعنی فی نفسی۔ حضرت
عثمان بن حنیف نے کہا اللہ کی قسم ہم جدا نہ ہوئے یہاں تک کہ وہ شخص
آیا گویا کہ اسے کوئی ضرر ہی نہ تھا۔

یہی دعا اور بزرگوں کا بھی معمول بہ رہی ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف نبہانی یوں
نقل فرماتے ہیں:

وقال کثیر بن محمد بن کثیر بن رفاعہ جاء رجل
الی عبد الملک بن سعید بن خیار بن الجبر فجس
بطنہ فقال بک داء لا یبرء قال ما ھو قال الدبیلہ
فتحول الرجل فقال اللہ اللہ اللہ ربی لا اشرک بہ
شیئا اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک محمد صلی
اللہ علیہ وسلم نبی الرحمہ یا محمد انی اتوجہ
بک الی ربک و ربی ان یرحمنی مما بی رحمہ
یغنینی بھا عن رحمہ من سواہ ثلاث مرات ثم عاد
الی ابن الجبر فجس بطنہ فقال قد برات ما بک
علہ۔

کثیر بن محمد بن کثیر بن رفاعہ نے کہا کہ ایک شخص عبدالملک بن سعید
بن خیار بن الجبر کے پاس آیا۔ پس اس نے اس شخص کا پیٹ ٹٹولا اور کہا
کہ تجھے لاعلاج بیماری ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا بیماری ہے۔ ابن الجبیر
نے کہا دبیلہ (ایک پیٹ کی بیماری کا نام ہے) پس وہ شخص پھرا اور اس نے
یہ دعا مانگی "اللہ اللہ اللہ میرا پروردگار ہے میں کسی کو اس کا شریک نہیں

ٹھہراتا۔ اے اللہ میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہے بوسیلہ تیرے پیغمبر محمد
ﷺ کے جو نبی الرحمہ ہیں۔ یا محمد میں متوجہ ہوتا ہوں بوسیلہ آپ کے
آپ کے رب اور اپنے رب کی طرف کہ اس بیماری سے وہ مجھ پر ایسی
رحمت کرے کہ جس سے وہ مجھے کسی غیر کی رحمت سے بے نیاز کر
دے" یہ دعا تین بار کی۔ پھر وہ ابن الجبر کی طرف لوٹا اس نے جو اس کا
پیٹ ٹٹولا تو کہا تو تندرست ہو گیا ہے تجھے کوئی بیماری نہیں۔

(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، ص ۷۹۰)

حروب و مصائب میں اس طرح حضور اقدس ﷺ کو پکارنا اور آپ سے
توسل کرنا ہر زمانے میں صالحین کا مسلک رہا ہے۔ بطور توضیح چند اور مثالیں ذیل میں
درج کی جاتی ہیں:

۱- جب حضرت کعب بن ضمرہ کا یوقنا حاکم حلب سے مقابلہ ہوا تو اس جنگ میں
اہل اسلام یوں پکارتے تھے: یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل یعنی
اے محمد اے محمد، اے اللہ کی مدد تو نازل ہو۔

(مجموعہ کامل ترجمہ تاریخ واقدی، فتوح الشام، ص ۲۹۸)

۲- ابن جریر طبری ۱۸ھ کے واقعات میں یوں لکھتے ہیں:

کتب الی السری عن شعیب عن سیف عن مبشر
بن الفضیل عن جبیر بن صخر عن عاصم بن عمر
بن الخطاب قال قحط الناس زمان عمر عاما فھزل
المال فقال اھل بیت من مزینہ من اھل البادیہ
لصاحبھم قد بلغنا فاذبح لنا شاہ قال لیس فیھن
شیئی فلم یزالوا بہ حتی ذبح لھم شاہ فسلخ عن
عظم احمر فنادی یا محمداہ (الخ)

میری طرف سری نے لکھا بروایت شعیب از سیف از مبشر بن فضیل از جبیر بن صخر از عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ کہا عاصم نے کہ ایک سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں امساک باراں ہوا۔ پس مواشی لاغر ہوگئے۔ اہل بادیہ سے قبیلہ مزینہ کے ایک اہل خانہ نے اپنے صاحب سے کہا کہ ہمیں غایت درجہ کی تکلیف ہے۔ تو ہمارے واسطے ایک بکری ذبح کر۔ اس نے کہا کہ بکریوں میں کچھ رہا نہیں۔ وہ اہل خانہ اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے ان کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ جب کھال اتاری تو سرخ ہڈیاں دکھائی دیں۔ پس اس نے یوں پکارا یا محمداہ۔ (الخ) (تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری، جزء رابع، ص ۲۲۴)

۳- امام نووی کتاب الاذکار (باب مایقولہ اذا خدرت رجلہ، ص ۱۳۵) میں لکھتے ہیں:

روینا فی کتاب ابن السنی عن الھیثم بن حنش قال کنا عند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما فخدرت رجلہ فقال لہ رجل اذکر احب الناس الیک فقال یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکانما نشط من عقال و روینا فیہ ایضا عن مجاھد قال خدرت رجل رجل عند ابن عباس فقال ابن عباس رضی اللہ عنھما اذکر احب الناس الیک فقال محمد صلی اللہ علیہ وسلم فذھب خدرہ۔

ابن السنی (متوفی ۳۶۴ھ) کی کتاب میں ہیثم بن حنش سے روایت ہے کہ اس نے کہا ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھے۔ پس ان کا پاؤں سو گیا۔ ایک شخص نے ان سے کہا آپ اس کو یاد کیجیے جو آپ کو سب لوگوں سے پیارا ہے۔ پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

کہا یا محمد ﷺ۔ پس گویا آپ بند سے کھول دیے گئے'، اور کتاب ابن سنی ہی میں مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس ایک شخص کا پاؤں سو گیا۔ پس آپ نے اس سے کہا تو یاد کر اس کو جو تجھے سب لوگوں سے پیارا ہے۔ پس اس نے کہا محمد ﷺ۔ پس اس کے پاؤں کی خوابیدگی جاتی رہی۔

۴- علامہ یوسف نبہانی (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین، ص۷۸۶) لکھتے ہیں:

قال ابو عبداللہ سالم عرف بخواجہ رایت فی المنام کانی فی بحر النیل و انا بجزیرہ فاذا بتمساح اراد ان یقفز علی فخفت منہ فاذا بشخص وقع لی انہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی اذا کنت فی شدہ فقل انا مستجیر بک یا رسول اللہ فاراد بعض الاخوان السفر لزیارہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کان ضریرا فحکیت لہ الرویا و قلت لہ اذا کنت فی شدہ فقل انا مستجیر بک یارسول اللہ فسافر فی تلک الایام فجاء الی رابغ و کان الماء بہ قلیلا و کان لہ خادم فراح فی طلب الماء قال لی فبقیت القربہ فی یدی وانا فی شدہ من طلب الماء فتذکرت ما قلت لی و قلت انا مستجیر بک یارسول اللہ فبینا انا کذلک اذ سمعت صوت رجل و ھو یقول لی زم قربتک ، سمعت خریر الماء فی القربہ الی ان

امتلات ولا اعلم من این اتی الرجل۔

ابو عبداللہ سالم معروف بہ خواجہ نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں دریائے نیل میں ایک جزیرہ میں ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مگرمچھ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے پس میں اس سے ڈر گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے جو میرے ذہن میں آیا کہ وہ نبی ﷺ ہیں' مجھ سے فرمایا جب تو کسی سختی میں ہو تو یوں کہا کر:

انا مستجیر بک یا رسول اللہ۔	یارسول اللہ میں آپ سے مدد مانگنے والا ہوں۔

پس کسی بھائی نے جو نابینا تھا نبی ﷺ کی زیارت کا ارادہ کیا۔ میں نے اپنا خواب اس سے بتا دیا اور اس سے کہا کہ جب تو کسی سختی میں ہو تو یوں کہا کر انا مستجیربک یارسول اللہ ان دنوں میں وہ روانہ ہوگیا۔ پس رابغ میں آیا اور وہاں پانی تھوڑا تھا۔ اور اس کا ایک خدمت گار تھا۔ پس وہ پانی کی تلاش میں چلا گیا۔ اس نابینا نے مجھ سے کہا کہ میرے ہاتھ میں مشک خالی رہ گئی اور میں پانی کی تلاش سے تنگ آ گیا۔ پس مجھے تیرا قول یاد آیا اور میں نے کہا انا مستجیربک یا رسول اللہ میں اسی حال میں تھا کہ ناگاہ میں نے ایک شخص کی آواز سنی جو مجھ سے کہہ رہا تھا تو اپنی مشک بھر لے اور میں نے مشک میں پانی کی آواز سنی یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ اور میں نہیں جانتا کہ وہ شخص کہاں سے آ گیا۔

۵- کتاب حجۃ اللہ علی العالمین للنبہانی ص ۸۰۷ میں ہے:

قال علی بن مصطفی العسقلانی ابوالحسن رکبنا فی باحہ بحر عیذاب نطلب جدہ فھاج

علینا البحر ورمینا ما معنا فی البحر واشرفنا علی التلف فجعلنا نستغیث بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نقول یا محمداہ یا محمداہ و کان معنا رجل مغربی صالح فقال ارفقوا یا حجاج انتم سالمون الساعہ رایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام فقلت یارسول اللہ امتک امتک یستغیثون بک قال فالتفت الی ابی بکر و قال یا ابابکر انجدہ قال فان عینی ترینی ابابکر و قد خاض البحر وادخل یدہ فی مقدم الحلبہ و لم یزل یجذبھا حتی دخل بھا البر فبکم تستغیثون فانتم سالمون فسلمنا فبعد ھذا لم نرا لا خیرا ودخلنا البر سالمین۔

ابوالحسن علی بن مصطفیٰ العسقلانی نے کہا کہ ہم بحر عیذاب کے پانی میں جدہ کو کشتی میں روانہ ہوئے۔ پس سمندر میں طغیانی آ گئی۔ اور ہم نے اپنا اسباب سمندر میں پھینک دیا اور قریب الہلاک ہوگئے۔ پس ہم نبی ﷺ سے مدد مانگنے لگے اور یوں پکارنے لگے یا محمداہ یا محمداہ اور ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک شخص تھا۔ اس نے کہا اے حاجیو گھبراؤ مت۔ تم بچ جاؤ گے۔ ابھی میں نے نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ پس میں نے عرض کی یارسول اللہ آپ کی امت آپ سے مدد مانگتی ہے۔ پس آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے ابوبکر تو اس کی مدد کر۔ کہا مغربی نے کہ میرا اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سمندر میں گھس گئے۔ اور انہوں نے کشتی کی پتوار پر اپنا

ہاتھ ڈالا۔ اور اسے کھینچتے رہے یہاں تک کہ خشکی سے جا لگے۔ پس وہ تم کو نرمی سے کھینچ لے گئے۔ حالانکہ تم فریاد کرتے رہے اور تم بچ رہے۔ پس ہم سلامت رہے اور اس کے بعد ہم نے بجز خیر کچھ نہ دیکھا اور خشکی پر صحیح و سالم پہنچ گئے۔

حضور اقدس ﷺ کے کمال اتباع کے سبب اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی کرامتیں حضور ﷺ کے غلاموں کو بھی عطا کی ہیں۔ اولیائے کرام سے ایسی کرامت کا ظہور حقیقت میں حضور ہی کا معجزہ ہے۔ کیونکہ کسی امتی کی کرامت اس امت کے نبی کا معجزہ ہوا کرتا ہے۔

امام نووی (کتاب الاذکار، ص۱۰۰) میں تحریر فرماتے ہیں:

روینا فی کتاب ابن السنی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال اذا انفلتت دابہ احدکم بارض فلاہ فلیناد یاعباد اللہ احبسوا یا عباد اللہ احبسوا فان للہ عزوجل فی الارض حاصرا سیحبسہ قلت حکی لی بعض شیوخنا الکبار فی العلم انہ انفلتت لہ دابہ اظنھا بغلہ و کان یعرف ھذا الحدیث فقالہ فحبسھا اللہ علیھم فی الحال و کنت انا مرہ مع جماعہ فانفلتت منا بھیمہ وعجزوا عنھا فقلتہ فوقفت فی الحال بغیر سبب سوی ھذا الکلام۔

کتاب ابن سنی میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا چارپایہ کسی بیابان میں بھاگ جائے تو اسے چاہیے کہ یوں پکارے اے

اللہ کے بندو روکو(۱) اے اللہ کے بندو روکو۔ کیونکہ اس زمین میں اللہ عزوجل کی طرف سے ایک گھیرنے والا ہوتا ہے جو اسے جلد روک لے گا۔ میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیوخ میں سے ایک بڑے عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا چارپایہ جسے میں خچر گمان کرتا ہوں بھاگ گیا۔ مجھے یہ حدیث معلوم تھی میں نے کہا یا عباد اللہ احبسوا (اے اللہ کے بندو روکو) پس اللہ نے اسے اسی وقت روک لیا۔ میں ایک دفعہ ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ ہمارا ایک چارپایہ بھاگ گیا اور لوگ اس سے عاجز آ گئے۔ میں نے یہی عمل کیا۔ وہ اسی وقت ٹھہر گیا اور اس کلام کے سوا کوئی اور سبب نہ تھا۔

اس حدیث میں عباد اللہ سے مراد فرشتے سمجھو یا رجال غیب ابدال وغیرہ یا مسلمان جن۔ بہرحال ندائے غیر اللہ موجود ہے۔ علامہ نووی نے دو واقعہ سے اس حدیث کی صحت کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ حضرت ساریہ بن زنیم کا قصہ مشہور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ساریہ کو ایک لشکر کا سردار بنا کر بلاد فارس کی طرف بھیجا تھا۔ باب نہاوند میں لشکر اسلام کو سخت مقابلہ پیش آیا۔ حضرت ساریہ نے شہر نہاوند کا جو ہمدان سے تین دن کی راہ ہے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ مگر

---

(۱) حصن حصین میں علامہ جزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے یہ حدیث بروایت طبرانی یوں نقل فرمائی ہے:

اذا انفلتت دابہ احدکم فلیناد یاعباد اللہ اعینونی۔

جب تم میں سے کسی کا چارپایہ بھاگ جائے تو اسے چاہیے کہ یوں پکارے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

اور حصن حصین ہی میں ہے:

ان ارادعونا فلیقل یاعباد اللہ اعینونی یاعباد اللہ اعینونی۔

جب مدد چاہے تو یوں کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو' اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔ اور مسلمانوں کو شکست ہونے کو تھی۔ مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اثنائے خطبہ میں آپ نے دو تین بار باآواز بلند فرمایا:

یا ساریہ الجبل من استرعی الذئب الغنم فقد ظلم۔(۱)	اے ساریہ پہاڑ کی طرف کو ہو جاؤ جس نے بھیڑیے کو بھیڑوں کا چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

یہ آواز نہاوند میں حضرت ساریہ اور لشکر اسلام نے سنی اور وہ پہاڑ کی طرف کو ہوگئے۔ ایک مہینہ کے بعد قاصد فتح کی خوشخبری لایا۔ اس نے بیان کیا کہ جمعہ کے دن فلاں وقت جبکہ ہم پہاڑ سے آگے بڑھ رہے تھے، ہم نے ایک آواز سنی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی اور وہ یہ تھی: یا ساریہ الجبل من استرعی الذئب الغنم فقد ظلم۔ یہ آواز سن کر ہم پہاڑ کی طرف مڑ آئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم کو فتح دی۔ یہ قصہ دلائل حافظ ابی نعیم میں باسناد متصل مذکور ہے اور تہذیب الاسماء و الصفات للنووی اور طبقات الشافعیہ الکبریٰ للتاج السبکی اور حیاۃ الحیوان للدمیری وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ علامہ تاج سبکی اسے نقل کر کے فرماتے ہیں:

(۱) یعنی بھیڑوں پر ظلم کیا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس نے بھیڑیے پر ظلم کیا کیونکہ اس کو ایسے کام کی تکلیف دی جو اس کی طبیعت میں نہ تھا۔ یہ مثل پہلے پہل اکثم بن صیفی نے کہی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر استعمال کی۔ (حیوۃ الحیوان، تحت ذئب) کتاب جمہرۃ الامثال لابی ہلال العسکری، (متوفی ۳۹۵ھ) میں اس مثل کے یہ معنے لکھے ہیں:

ای من استرعی الذئب فقد وضع الامانه فی غیر موضعه والظلم وضع الشئی فی غیر موضعه۔	یعنی جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا، اس نے امانت کو امانت کی جگہ کے سوا رکھا اور ظلم کے معنی ہیں کسی شے کو غیر محل میں رکھنا۔

قلت عمر رضی الله عنه لم یقصد اظهار هذه الکرامه وانما کشف له ورای القوم عیانا وکان کمن هو بین اظهرهم او طویت الارض وصاربین اظهرهم حقیقه وغاب عن مجلسه بالمدینه وانتقلت حواسه بمادهم المسلمین بنهاوند فخاطب امیرهم خطاب من هو معه اذ هو حقیقه او کمن هو معه۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کرامت کے ظاہر کرنے کا قصد نہ کیا تھا۔ آپ کو کشف ہوگیا اور آپ نے لشکر اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آپ مثل اس شخص کے ہوگئے جو ان کے درمیان ہو، یا زمین لپیٹی گئی اور آپ حقیقت میں ان کے درمیان ہوگئے اور مدینہ میں مجلس سے غائب ہوگئے اور نہاوند میں مسلمانوں کی مصیبت کے سبب آپ کے حواس منتقل ہوگئے۔ پس آپ نے سردار لشکر کو خطاب کیا مثل اس شخص کے جو اس کے ساتھ ہو کیونکہ آپ حقیقتاً اس کے ساتھ یا اس شخص کی مثل تھے جو اس کے ساتھ ہو۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ، جزء ثانی، ص ۶۵)

علامہ شطنوفی (بہجۃ الاسرار، مطبوعہ مصر، ص ۱۰۲) میں بالاسناد یوں تحریر فرماتے ہیں کہ حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

من استغاث بی فی کربه کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شده فرجت عنه و من توسل بی الی الله	جس نے کسی مصیبت میں مجھ سے مدد مانگی، وہ مصیبت اس سے دور ہوگئی۔ جس نے کسی سختی میں مجھے میرا نام لے کر پکارا، وہ سختی اس سے جاتی رہی۔ اور جس

عزوجل فی حاجۃ قضیت۔ — نے کسی حاجت میں اللہ عزوجل کی طرف میرا وسیلہ پکڑا' وہ حاجت پوری ہوگئی۔

اسی واسطے مشائخ سلسلہ قادریہ میں وظیفہ(۱) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ معمول ہے۔ اسی طرح جامع حقیقت و شریعت سیدنا ابوالعباس احمد زروق (متوفی ۸۹۹ھ) نے ایک قصیدے میں جو قصیدہ جیلانیہ کے طرز پر ہے یوں فرمایا ہے۔

انا لمریدی جامع لشتاته
اذا ماسطا جور الزمان بنکبه
وان کنت فی ضیق و کرب ووحشه
فناد بیا زروق آت بسرعه

میں اپنے مرید کی پریشانیوں کو دور کرنے والا ہوں۔ جب زمانے کا ستم سختی کے ساتھ حملہ آور ہو' اور اگر تو تنگی' تکلیف اور وحشت میں ہو تو یا زروق کہہ کر پکار میں فوراً آموجود ہوں گا۔

(دیکھو بستان المحدثین' مصنفہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ' مطبوعہ مجتبائی دہلی' ص ۱۲۱)

اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ ہزاروں کوسوں سے کیونکر سن سکتے ہیں اور کس طرح آسکتے ہیں۔ اس اعتراض کا منشا یہ ہے کہ معترض عالم برزخ کو دار دنیا پر قیاس کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ جس طرح پیکر استخوانی میں مقید ہونے کی حالت میں روح کے قویٰ محدود ہوتے ہیں اسی طرح موت کے بعد بھی محدود ہوتے ہیں۔ مگر یہ قیاس غلط ہے۔ کیونکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے کہ موت کے بعد روح کے قویٰ میں حیرت انگیز ترقی پائی جاتی ہے اور حدیث صحیح میں

(۱) اس وظیفہ کے جواز پر علمائے کبار نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ فتویٰ ایک رسالہ کی شکل میں انجمن نعمانیہ ہند۔ نے شائع کیا ہے جو انجمن مذکور کے دفتر سے مل سکتا ہے۔

ثابت ہے کہ اگر کوئی زائر کسی مومن کی قبر پر جاکر سلام کہے تو اس کی روح خواہ وہ علیین میں ہو اس زائر کو پہچانتی ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتی ہے۔ اور یہ بھی مذکور ہوچکا ہے کہ روح ایسی سریع الحرکت ہے کہ ایک لمحہ میں آسمان پر ہوتی ہے اور دوسرے لمحہ میں زمین پر آجاتی ہے۔ جب عامہ مومنین کی روحوں کا یہ حال ہے تو اولیاء اللہ پر جنہیں حالت حیات ہی میں خدائی(۱) شنوائی حاصل ہو جاتی ہے' یہ اعتراض کیونکر وارد ہو سکتا ہے کہ وہ ہزاروں کوسوں سے کس طرح سنتے ہیں اور کیونکر جلد آموجود ہوتے ہیں۔

(۱) عن ابی هریره قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الله قال من عاد لی ولیا فقد آذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشئی احب الی مما افترضته علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔(الحدیث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس کو آگاہ کرتا ہوں کہ میں اس سے لڑائی کرنے والا ہوں اور میرے بندے نے میری طرف کسی چیز سے نزدیکی نہ ڈھونڈی جو مجھ کو ادائے فرائض سے زیادہ محبوب ہو اور میرا بندہ نوافل سے میری نزدیکی ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ پس جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

(بخاری شریف' کتاب الرقاق' باب التواضع)

۱۰- مسائل متفرقہ

اس باب میں چند ضروری مسائل بعنوان سوال و جواب بیان کیے جاتے ہیں۔

سوال

کیا صوم و صلوۃ وغیرہ عمل نیک کا ثواب بصورت ایصال مردے کو پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب

در مختار (باب الحج عن الغیر) میں ہے:

الاصل ان کل من اتی بعبادہ مالہ جعل ثوابہا لغیرہ وان نواہا عند الفعل لنفسہ بظاہر الادلہ۔

اصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی عبادت کرے اس کو جائز ہے کہ اس کا ثواب غیر کے واسطے کر دے اگرچہ عبادت کرنے کے وقت اپنی ذات کے واسطے نیت کی ہو۔ یہ اصل ثابت ہے قرآن و حدیث کی ظاہر دلالت سے۔

رد المحتار میں ہے:

(قولہ بعبادہ ما) ای سواء کانت صلاہ او صوما او صدقہ اوقراءہ اوذکرا اوطوافا اوحجا اوعمرہ اوغیر ذلک من زیارہ قبور الانبیاء علیہم الصلاہ والسلام والشہداء والاولیاء والصالحین و تکفین الموتی و جمیع انواع البر کما فی الہدایہ و قدمنا فی الزکاہ عن التاترخانیہ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین و المومنات لانہا تصل الیہم و لا ینقص من اجرہ شئی۔

ہر عبادت کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے خواہ وہ عبادت نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قراءت یا ذکر یا طواف یا حج یا عمرہ یا اس کے سوا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور شہداء و اولیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت اور مردوں کا کفنانا اور جمیع انواع خیر جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے (الطحاوی) اور ہم نے کتاب الزکوۃ میں تاترخانیہ سے اور اس نے محیط سے نقل کیا ہے کہ جو شخص کوئی نفلی عبادت صدقہ کرے، اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرے۔ کیونکہ وہ صدقہ ان سب کو پہنچتا ہے اور اس کے اجر سے کچھ کم نہیں ہوتا۔

اور (قولہ لغیرہ) ای من الاحیاء والاموات بحر من البدائع یعنی وہ دوسرا خواہ مردوں سے ہو خواہ زندوں سے۔ (بحر الرائق، بحوالہ بدائع) خلاصہ یہ ہے کہ ہر عمل نیک کا ثواب بصورت ایصال مردے اور زندے کو پہنچتا ہے۔ مگر معتزلہ وصول ثواب کے منکر ہیں۔ اور اپنے انکار پر آیہ لیس للانسان الا ما سعی (نہیں ہے انسان کے لیے مگر جو اس نے سعی کی) کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ابن قیم نے جس جواب کو بہت پسند کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان جو ایمان لاتا ہے اور تمام

مسلمانوں کے ساتھ عقد اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یہی اس کی طرف دعا وغیرہ کے وصول کا سبب ہے گویا کہ وصول ثواب اسی کی سعی سے ہے۔ ابن تیمیہ نے جس جواب کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے غیر کی سعی سے نفع اٹھانے کی نفی نہیں کی البتہ غیر کی سعی کے مالک ہونے کی نفی کی ہے۔ اور ان دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ انسان بجز اپنی سعی کے مالک نہیں ہے۔ رہی غیر کی سعی، سو وہ غیر اس کا مالک ہے چاہے دوسرے کو عطا کر دے اور چاہے تو اپنے لیے رکھ لے۔ (کتاب الروح، ص۲۰۶)

اسی طرح انکار پر بعض دفعہ یہ آیت پیش کی جاتی ہے ولا تجزون الا ما کنتم تعملون (یٰس: ع ۴) مگر یہ آیت صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ اس کا سیاق غیر کے عمل سے مواخذہ کی نفی کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فالیوم لا تظلم نفس شیئا ولا تجزون الا ما کنتم تعملونO	پس آج کے دن ظلم نہ ہو گا کسی جی پر کچھ اور تم وہی بدلہ پاؤ گے جو کرتے تھے۔

پس اس میں نفی ہے اس امر کی کہ کوئی شخص ظلم کیا جائے بدیں طور کہ اس کی برائیوں میں زیادتی کی جائے یا اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے یا دوسرے کے عمل کی سزا پائے، اور اس امر کی نفی نہیں کہ انسان غیر کے عمل سے جزائے عمل کے سوا کسی اور طرح فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ انسان کا اس چیز سے نفع اٹھانا جو اس کو ہدیہ کر دی جائے اس کے عمل کی جزا نہیں، بلکہ یہ صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بغیر اس کی سعی کے کیا ہے بلکہ اپنے کسی بندے کے ہاتھ سے جزائے عمل کے طور کے سوا عنایت کیا ہے۔ (کتاب الروح، ص۲۰۷)

تفسیر جلالین کے حاشیہ جمل (مطبوعہ مصر، جزء رابع، ص۲۳۶) میں یوں لکھا ہے:

قال الشیخ تقی الدین ابو العباس احمد بن

تیمیه من اعتقد ان الانسان لا ینتفع الا بعمله فقد خرق الاجماع وذلک باطل من وجوه کثیره۔

۱۔ ان الانسان ینتفع بدعاء غیره و هو انتفاع بعمل الغیر۔

۲۔ ان النبی صلی الله علیه وسلم یشفع لاهل الموقف فی الحساب ثم لاهل الجنه فی دخولها۔

۳۔ یشفع لاهل الکبائر فی الخروج من النار و هذا انتفاع بسعی الغیر۔

۴۔ ان الملائکه یدعون و یستغفرون لمن فی الارض وذلک منفعه بعمل الغیر۔

۵۔ ان الله تعالی یخرج من النار من لم یعمل خیرا قط بمحض رحمته و هذا انتفاع بغیر عملهم۔

۶۔ ان اولاد المومنین یدخلون الجنه بعمل آبائهم وذلک انتفاع بمحض عمل الغیر۔

۷۔ قال تعالی فی قصه الغلامین الیتیمین و کان ابوهما صالحا فانتفعا بصلاح ابیهما ولیس من سعیهما۔

۸۔ ان المیت ینتفع بالصدقه عنه وبالعتق بنص السنه والاجماع وهو من عمل الغیر۔

۹۔ ان الحج المفروض یسقط عن المیت بحج ولیه بنص السنه وهو انتفاع بعمل الغیر۔

۱۰- ان الحج المنذور او الصوم المنذور یسقط عن المیت بعمل غیره بنص السنه وهو انتفاع بعمل الغیر۔

۱۱- المدین قد امتنع صلی الله علیه وسلم من الصلاه علیه حتی قضی دینه ابو قتاده وقضی دین الاخر علی بن ابی طالب وانتفع بصلاه النبی صلی الله علیه وسلم وهو من عمل الغیر۔

۱۲- ان النبی صلی الله علیه وسلم قال لمن صلی وحده الارجل یتصدق علی هذا فیصلی معه فقد حصل له فضل الجماعه بفعل الغیر۔

۱۳- ان الانسان تبرا ذمته من دیون الخلق اذا قضاها قاض عنه وذلک انتفاع بعمل الغیر۔

۱۴- ان من علیه تبعات ومظالم اذا حلل منها سقطت عنه وهذا انتفاع بعمل الغیر۔

۱۵- ان الجار الصالح ینفع فی المحیا والممات کما جاء فی الاثر وهذا انتفاع بعمل الغیر۔

۱۶- ان جلیس اهل الذکر یرحم بهم وهو لم یکن منهم ولم یجلس لذلک بل لحاجه عرضت له والاعمال بالنیات فقد انتفع بعمل غیره۔

۱۷- الصلاه علی المیت والدعاء له فی الصلاه انتفاع للمیت بصلاه الحی علیه وهو عمل غیره۔

۱۸- ان الجمعه تحصل باجتماع العدد وکذلک

الجماعه بکثره العدد وهو للبعض بالبعض۔

۱۹- ان الله تعالی قال لنبیه صلی الله علیه وسلم وما کان الله لیعذبهم وانت فیهم وقال تعالی ولولا رجال مومنون ونساء مومنات وقال تعالی ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض فقد رفع الله تعالی العذاب عن بعض الناس بسبب بعض و ذلک انتفاع بعمل الغیر۔

۲۰- ان صدقه الفطر تجب علی الصغیر وغیره ممن یونه الرجل فانه ینتفع بذلک من یخرج عنه ولاسعی له فیها۔

۲۱- ان الزکاه تجب فی مال الصبی والمجنون و یثاب علی ذلک ولاسعی له۔

ومن تامل العلم وجد من انتفاع الانسان بما لم یعمله مالا یکاد یحصی فکیف یجوز ان تناول الایه الکریمه علی خلاف صریح الکتاب والسنه و اجماع الامه۔

شیخ تقی الدین ابوالعباس احمد بن تیمیہ نے کہا کہ جو اعتقاد رکھے کہ انسان اپنے عمل کے سوا فائدہ نہیں اٹھاتا' اس نے اجماع کے خلاف کیا اور یہ اعتقاد کئی طرح سے باطل ہے۔

۱- انسان دوسروں کی دعا سے نفع اٹھاتا ہے یہ غیر کے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

۲- نبی ﷺ اہل موقف کے لیے حساب میں پھر اہل جنت کے

لیے دخول بہشت میں شفاعت فرمائیں گے۔

۳- نبی ﷺ اہل کبائر کے لیے دوزخ سے نکلنے میں شفاعت فرمائیں گے۔ یہ غیر کی سعی سے فائدہ اٹھانا ہے۔

۴- فرشتے اہل زمین کے لیے دعا و استغفار کرتے ہیں۔ یہ غیر کے عمل سے منفعت ہے۔

۵- اللہ تعالیٰ اپنی محض رحمت سے ان کو دوزخ سے نکالے گا جنہوں نے کوئی نیک عمل نہیں کیا یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۶- مومنوں کی اولاد اپنے آباء کے عمل سے بہشت میں داخل ہوگی۔ یہ محض عمل غیر سے انتفاع ہے۔

۷- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو یتیم لڑکوں کے قصے میں فرمایا ہے کہ ان کا باپ نیک تھا۔ پس انہوں نے اپنے باپ کی نیکی سے نفع پایا اور یہ نیکی ان کی سعی نہ تھی۔

۸- مردہ زندے کے صدقہ اور غلام آزاد کرنے سے نفع پاتا ہے جیسا کہ نص سنت و اجماع سے ثابت ہے۔ اور یہ غیر کا عمل ہے۔

۹- میت کا ولی اگر میت کی طرف سے حج کرے تو میت سے حج مفروض ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نص سنت سے ثابت ہے۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۰- حج منذور یا صوم منذور میت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص اس کی طرف سے ادا کرے جیسا کہ نص سنت سے ثابت ہے۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۱- آنحضرت ﷺ نے مقروض پر نماز جنازہ نہ پڑھی۔ یہاں تک کہ ابو قتادہ نے اس کا قرض ادا کر دیا۔ اور ایک اور میت کا قرض حضرت

علی کرم اللہ وجہہ نے ادا کیا۔ پس وہ نبی ﷺ کی صلاۃ سے منتفع ہوا۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۲- نبی ﷺ نے اس شخص کی نسبت فرمایا جس نے اکیلے نماز پڑھی کیا کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے۔ پس اس کو غیر کے فعل سے جماعت کی فضیلت حاصل ہوگئی۔

۱۳- جب ایک شخص دوسرے کا قرضہ ادا کر دے تو ادا ہو جاتا ہے۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۴- جس شخص پر مظالم ہوں، اگر معاف کر دیئے جائیں تو ساقط ہو جاتے ہیں۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۵- نیک ہمسایہ حیات و ممات میں نفع دیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۶- جو شخص حلقہ ذکر میں بیٹھ جائے خواہ وہ کسی اور حاجت کے لیے آیا ہو اور بیٹھا ہو۔ اس پر رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۱۷- زندوں کا مردے پر نماز پڑھنا اور دعا کرنا میت کے لیے مفید ہوتا ہے۔ یہ غیر کا عمل ہے۔

۱۸- جمعہ اور جماعت کثرت عدد سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک دوسرے سے انتفاع ہے۔

۱۹- اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کی شان میں فرمایا ہے و ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کہ عذاب دے ان کو اور تو ان میں ہو) دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے ولولا رجال مومنون ونساء مومنات (سورۂ فتح: رکوع ۳) اور

ایک اور جگہ یوں ہے و لولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض (سورۂ حج: رکوع ۶) پس اللہ تعالیٰ نے بعض کے سبب بعض سے عذاب دور کر دیا۔ یہ غیر کے عمل سے انتفاع ہے۔

۲۰- صدقہ فطر واجب ہے صغیر پر اور غیر صغیر پر جو انسان کے عیال و موٴنت میں ہو۔ پس اس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے جس کی طرف سے نکالا جائے۔ حالانکہ اس میں اس کی کوئی سعی نہیں۔

۲۱- لڑکے اور دیوانے کے مال میں زکوٰۃ واجب ہے اور اس سے اس کو ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی سعی نہیں۔

جو شخص قرآن و حدیث پر غور کرے گا وہ غیر کے عمل سے انتفاع کی بے شمار مثالیں پائے گا۔ پس یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم آیہ لیس للانسان الا ما سعی کی تاویل صریح قرآن و حدیث و اجماع کے خلاف کریں۔

سوال

کیا میت کا تیسرا، ساتواں چہلم وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما المیت فی القبر الا کالغریق المتغوث ینتظر دعوہ تلحقہ من اب اوام اواخ او صدیق فاذا الحقتہ کان احب الیہ من الدنیا ومافیھا وان اللہ تعالی لیدخل الی اھل القبور من دعاء اھل الارض امثال الجبال وان ھدیہ الاحیاء الی الاموات الاستغفار لھم۔ رواہ البیہقی

فی شعب الایمان۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں مردہ قبر میں مگر مثل ڈوبتے فریاد کرنے والے کی۔ وہ انتظار کرتا ہے دعا کا کہ پہنچے اس کو باپ یا ماں یا بھائی یا دوست سے۔ پس جب اس کو دعا پہنچتی ہے تو وہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہے۔ اور تحقیق اللہ تعالیٰ البتہ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور پر پہاڑوں کی مثل (ثواب و رحمت) بھیجتا ہے۔ اور تحقیق زندوں کا تحفہ مردوں کی طرف ان کے لیے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

(مشکوٰۃ، کتاب اسماء اللہ تعالیٰ، باب الاستغفار والتوبہ، فصل ثالث)

علامہ دمیری حیوۃ الحیوان، جزء ثانی، ص ۷۴ میں لکھتے ہیں:

روی(۱) احمد عن طاؤس فی کتاب الزھد انہ قال ان الموتی یفتنون فی قبورھم سبعہ ایام فکانوا یستحبون ان یطعم عنھم تلک الایام۔

امام احمد بن حنبل نے کتاب الزہد میں حضرت طاؤس تابعی سے روایت کی کہ فرمایا مردے اپنے قبروں میں سات دن آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اس لیے صحابہ کرام ان دنوں میں مردوں کی طرف سے کھانا کھلانے کو مستحب جانتے تھے۔

اشعۃ اللمعات، ترجمہ مشکوٰۃ، باب زیارۃ القبور، جلد اول، ص ۷۶۳ میں ہے:

و مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز۔

(۱) اس حدیث کو حافظ ابو نعیم نے بھی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔

(شرح الصدور للسیوطی، باب فتنۃ القبر و سوال الملکین، ص ۵۴)

شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ نے آیہ والقمر اذا اتسق کی تفسیر کرتے ہوئے مردہ کی تین حالتیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے پہلی حالت کے ضمن میں یوں لکھا ہے:

و نیز وارد است کہ مردہ در آں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریاد رسی مے برد۔ و صدقات و ادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار او مے آید۔ و ازیں جا است کہ طوائف بنی آدم تا یکسال و علی الخصوص تا یک چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند و روح مردہ نیز در قرب موت در خواب و عالم تمثل ملاقات زندگان می کند و مافی الضمیر خود را اظہار می نماید۔

امام ابوبکر احمد بن محمد خلال بغدادی حنبلی (متوفی ۳۱۱ھ) نے اپنی کتاب جامع لعلوم الامام احمد بن حنبل میں بروایت امام شعبی نقل کیا ہے کہ "جب انصار میں کوئی میت ہو جاتی تھی تو وہ اس کی قبر پر جاکر قرآن پڑھا کرتے تھے"۔

(کتاب الروح لابن القیم، ص ۱۲، شرح الصدور للسیوطی، ص ۱۲۳)

علامہ عینی بنایہ شرح ہدایہ، مطبوعہ نو لکشور، الجزء الثانی من الجلد الاول، باب الحج عن الغیر، ص ۱۲۱۲ میں لکھتے ہیں:

ان المسلمین یجتمعون فی کل عصروزمان ویقرء ون القرآن و یھدون ثوابہ لموتاھم و علی ھذا اھل الصلاح و الدیانہ من کل مذاھب من المالکیہ و الشافعیہ وغیرھم ولاینکر ذلک منکرفکان اجماعا۔

مسلمان ہر زمانے میں جمع ہو کر قرآن پڑھتے رہے ہیں اور اس کا ثواب مردوں کو بطور تحفہ بھیجتے رہے ہیں اور تمام مذاہب کے اہل صلاح و دیانت مالکیہ و شافعیہ وغیرہم اسی مسلک پر ہیں۔ اور کوئی منکر اس کا انکار نہیں کرتا۔ پس یہ اجماع ہے۔

عبارت مذکورۂ بالا سے ثابت ہوا کہ موت کے بعد انسان مدد کا محتاج ہوتا ہے اور اپنے اقربا و احباء سے دعا و صدقہ وغیرہ کی توقع رکھتا ہے۔ اسی واسطے بالخصوص سات روز تک اس کی طرف سے کھانا کھلانا اور قرآن پڑھنا اور اس کے لیے استغفار کرنا مستحب ہے۔ بلکہ اگر ہو سکے تو چالیس دن یا اس سے بھی زائد خیرات وغیرہ سے میت کی امداد مناسب ہے۔ اگر زیادہ نہ ہو سکے تو تیسرا ساتواں وغیرہ حسب استطاعت سب کریں۔ یہ تیسرا ساتواں وغیرہ محض عوام کی سہولت کے لیے رواج پا گیا ہے۔ اس کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ چنانچہ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرمایا کرتے تھے۔ ہاں یہ عقیدہ نہ ہونا چاہیے کہ اور دنوں میں مردے کو ثواب پہنچتا ہی نہیں ایسا عقیدہ لغو ہے۔ اس مقام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل میت کے ہاں سے کھانا جائز نہیں۔ مگر حدیث ذیل اس کی تردید کرتی ہے۔

عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم فی جنازہ فرایت رسول الله صلی الله علیه وسلم وھو علی القبر یوصی الحافر یقول اوسع من قبل رجلیه واوسع من قبل راسه فلما رجع استقبله داعی امراته فاجاب و نحن معه فجئی بالطعام فوضع یده ثم وضع القوم فاکلوا فنظرنا الی رسول الله صلی الله علیه وسلم یلوک لقمه فی فیه ثم قال اجد لحم شاه اخذت بغیر اذن اھلھا فارسلت المراه تقول یارسول الله انی ارسلت الی النقیع وھو موضع یباع فیه الغنم لیشتری لی شاه فلم توجد

فارسلت الی جارلی قد اشتری شاہ ان یرسل بھا الی بثمنھا فلم یوجد فارسلت الی امراتہ فارسلت الی بھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اطعمی ھذا الطعام الاسری- رواہ ابو داود والبیھقی فی دلائل النبوہ-

عاصم بن کلیب نے اپنے باپ سے اور اس نے انصار میں سے ایک شخص سے روایت کی کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک جنازے میں نکلے۔ پس میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور آپ قبر کے نزدیک تشریف رکھتے تھے کہ کھودنے والے کو وصیت کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ میت کے پاؤں کی طرف سے کشادہ کر۔ اور اس کے سر کی طرف سے کشادہ کر۔ پس جب آپ واپس ہوئے تو میت کی عورت کی طرف سے دعوت کرنے والا آپ کے آگے آیا۔ پس آپ نے دعوت کو قبول فرمایا۔ اور ہم آپ کے ساتھ تھے پس کھانا لایا گیا اور آپ نے اپنا ہاتھ مبارک ڈالا۔ پھر صحابہ کرام نے اپنے ہاتھ ڈالے اور کھانا کھایا۔ پس ہم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے منہ مبارک میں لقمہ چبا رہے ہیں اور نگلتے نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا میں اس گوشت کو اس بکری کا گوشت پاتا ہوں جو اپنے مالک کے اذن کے بغیر لی گئی ہے۔ پس اس عورت نے کسی کے ہاتھ یہ کہلا بھیجا یا رسول اللہ میں نے اپنے خادم کو نقیع (یہ ایک مقام کا نام ہے جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں) میں بھیجا تاکہ میرے لیے ایک بکری خرید لائے۔ پس بکری نہ ملی۔ پس میں نے کسی کو اپنے ہمسائے کے پاس بھیجا کہ جس نے ایک بکری خریدی تھی کہ وہ بکری اس قیمت پر میرے پاس بھیج دے مگر وہ ہمسایہ نہ ملا۔ پس میں نے اس کی عورت کے

پاس بھیجا۔ پس اس عورت نے وہ بکری میرے پاس بھیج دی۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کھانا قیدیوں کو کھلا دے۔ اس حدیث کو ابوداؤد نے اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

(مشکوۃ کتاب الفتن 'باب فی المعجزات)

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ اہل میت کی دعوت قبول کرنا اور کھانا جائز ہے۔ بعض فقہاء نے جو اسے مکروہ لکھا ہے اس کی خاص وجہیں ہیں۔ چنانچہ ملا علی القاری نے حدیث عاصم بن کلیب کی شرح میں (مرقات جزء خامس ص ۴۸۲) یوں لکھا ہے:

ھذا الحدیث بظاھرہ یرد علی ماقررہ اصحاب مذھبنا من انہ یکرہ(۱) اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث او بعد الاسبوع کما فی البزازیہ وذکر فی الخلاصہ انہ لا یباح اتخاذ الضیافہ عند ثلاثہ ایام و قال الزیلعی و لا باس بالجلوس للمصیبہ الی ثلاث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط و الاطعمہ من اھل المیت و قال ابن الھمام یکرہ اتخاذ الضیافہ من اھل المیت والکل عللوہ بانہ شرع فی السرور لا فی الشرور قال وھی بدعہ مستقبحہ روی الامام احمد و ابن حبان باسناد صحیح عن جریر بن عبداللہ قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیت و صنیعھم الطعام من النیاحہ (انتھی) فینبغی ان یمید کلامھم بنوع

(۱) فتاویٰ بزازیہ مطبوعہ مصر میں یہ عبارت یوں ہے: ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع۔(الخ)

خاص من اجتماع یوجب استحیاء اهل بیت المیت فیطعمونهم کرها او یحمل علی کون بعض الورثه صغیرا او غائبا اولم یعرف رضاه اولم یکن الطعام من احد معین من مال نفسه ولا من مال المیت قبل قسمته ونحو ذلک۔

یہ حدیث بظاہر بطور اعتراض وارد ہوتی ہے اس پر جو ہمارے اصحاب مذہب نے کہا ہے کہ پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد دعوت کھانا مکروہ ہے جیسا کہ فتاویٰ برازیہ میں ہے' اور خلاصہ میں مذکور ہے کہ تین دن ضیافت کھانا مباح نہیں' اور زیلعی نے کہا کہ مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کچھ ڈر نہیں مگر کسی امر ممنوع یعنی فرش بچھانے اور اہل میت کی دعوت کھانے کا مرتکب نہ ہونا چاہیے' اور ابن ہمام نے کہا کہ اہل میت کی دعوت کھانا مکروہ ہے اور سب نے کراہت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ضیافت خوشی میں مشروع ہے نہ کہ مصیبتوں میں' اور کہا (ابن ہمام نے) کہ یہ بری بدعت ہے کیونکہ امام احمد اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ ہم اہل میت کے پاس جمع ہونے اور ان کے طعام تیار کرنے کو نوحہ سے شمار کرتے تھے (انتھی) پس چاہیے کہ ان فقہاء کا کلام ایک طرح کے خاص اجتماع کے ساتھ مقید ہو کہ جس سے میت کے اہل بیت کو شرم و حیا آئے[1] پس وہ مجبوراً ان کو کھانا کھلائیں یا ان فقہاء کا کلام اس صورت پر محمول ہو کہ جب وارثوں میں سے کوئی نابالغ ہو یا غائب ہو یا اس کی رضامندی معلوم

(۱) میت کے اہل بیت شرم کے مارے بدیں خیال کھانا کھلائیں کہ اپنے بیگانے سب لوگ جمع ہیں اگر بھوکے واپس جائیں گے تو ہماری بدنامی ہوگی۔

نہ ہو یا کھانا کسی ایک معین شخص کی طرف سے اس کے مال میں سے نہ ہو اور نہ بانٹنے سے پہلے میت کے مال میں سے ہو اور اس طرح کی اور صورتیں ہیں۔

اسی طرح کبیری شرح منیتہ المصلی (مطبوعہ لاہور' ص ۵۱۲) میں فتاویٰ برازیہ کی عبارت یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول (الخ) نقل کر کے یوں لکھا ہے:

ولا یخلوا عن نظر لانه لا دلیل علی الکراهه الاحدیث جریر بن عبدالله المتقدم وانما یدل علی کراهه ذلک عندالموت فقط علی انه قد عارضه ماروله الامام احمد بسند صحیح وابوداود عن عاصم بن کلیب۔

اور برازیہ کا قول بحث سے خالی نہیں۔ کیونکہ حدیث جریر بن عبداللہ کی سوا جو اوپر آچکی ہے کراہت کی کوئی دلیل نہیں اور وہ حدیث بھی فقط موت کے وقت ضیافت کی کراہت پر دلالت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اس کی معارض ہے حدیث عاصم بن کلیب جسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور ابوداوٗد نے روایت کیا ہے۔

غرض فقہاء نے بعض عوارض کی وجہ سے اہل میت کے طعام کو مکروہ کہا ہے۔ اگر یہ عوارض یا کوئی اور محظور شرعی دعوت میں نہ ہو تو وہ طعام ہرگز مکروہ نہ ہوگا۔ مگر یہ خیال رہے کہ ایسی دعوت میں اولیٰ یہ ہے کہ فقراء و مساکین ہی شامل ہوں یا وہ لوگ جو تدفین و تکفین میں مشغول رہے ہوں یا جو دور سے آئے ہوں اور اسی روز وطن واپس نہ پہنچ سکتے ہوں۔ اس ملک میں جو رواج ہے کہ چالیس روز کے بعد یا چھ ماہ یا سال کے بعد اپنے اقارب کو جمع کر کے کھانا کھلاتے ہیں اور رسوم بھاجی کے مطابق نقدی یا غلہ جو دیا ہو وہ وصول کرتے ہیں۔ اس سے مردے کے لیے ثواب کی امید

نہیں ہو سکتی۔

سوال

اس ملک میں رواج ہے کہ جمعہ کی رات کو فاتحہ اموات کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب

اخرج ابن المبارک فی الزھد والحکیم الترمذی فی نوادر الاصول و ابن ابی الدنیا و ابن منده عن سعید بن المسیب عن سلمان قال ان ارواح المومنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت و نفس الکافر فی سجین قال ابن القیم البرزخ ھوالحاجز بین الشیئین فکانه اراد فی ارض بین الدنیا والاخره- واخرج ابن ابی الدنیا عن مالک بن انس قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسله تذھب حیث شاءت-

حضرت عبداللہ بن مبارک نے کتاب الزہد میں اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اور ابن ابی الدنیا اور ابن منده نے بروایت سعید بن المسیب نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومنوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں' جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں۔ اور کافر کی روح سجین میں ہوتی ہے۔ ابن قیم نے کہا کہ برزخ دو چیزوں کے درمیان حاجز کو کہتے ہیں۔ پس گویا ابن قیم کی مراد یہ ہے کہ مومنوں کی روحیں دنیا و آخرت کے درمیان زمین میں ہوتی ہیں۔ اور ابن ابی الدنیا نے روایت کی ہے کہ حضرت مالک بن انس نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ

مومنوں کی روحیں آزاد ہوتی ہیں چلی جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

و در بعض روایات آمده است که روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر مے کند کہ تصدق میکند از وے یا نہ۔

(اشعۃ اللمعات' جزء اول' باب زیارت القبور' ص ۷۶۳)

اسی واسطے جمعہ کی رات کو طعام پر فاتحہ پڑھ کر ہر دو کا ثواب ایصال کرتے ہیں تاکہ روح محروم و مایوس واپس نہ جائے۔

سوال

میت کی طرف سے اسقاط کرنے کا کیا حکم و طریقہ ہے؟

جواب

اگر میت کے ذمہ فرائض و واجبات ہوں تو اس پر واجب ہے کہ ان کے فدیہ کی وصیت کرے جو ثلث ترکہ میں نافذ ہوگی۔ اگر اس کے ذمہ واجبات نہ ہوں تو اس کے لیے وصیت کرنا مستحب ہے۔ اسقاط کا طریق یہ ہے کہ مرد کے لیے بارہ سال اور عورت کے لیے نو سال کل عمر میں سے وضع کر کے باقی عمر کے نماز روزے وغیرہ کا فدیہ شمار کیا جائے۔ اگر ثلث ترکہ اس تمام کو کفایت کرے تو وہ ثلث دے دیا جائے۔ اگر ثلث بہت کم ہو یا ترکہ کچھ بھی نہ ہو تو ورثہ حیلہ کو عمل میں لائیں۔ کیونکہ حیلہ کا جواز بروئے قرآن قصہ یمین ایوب علیہ السلام سے ظاہر ہے۔ مثلاً ہر نماز کے لیے نصف صاع گیہوں جو قریباً پونے دو سیر انگریزی کے برابر ہوتے ہیں شمار کریں۔ اور روزانہ چھ نمازوں کے حساب سے ایک مدت معینہ کی نمازوں کے فدیہ کا حساب لگا دیں۔ پھر اس کے عوض نقدی یا قرآن شریف قرار دیں۔ اور کسی مسکین کو یہ کہہ کر دیں کہ یہ فلاں بن فلاں یا فلانہ بنت فلاں کی نمازوں کا فدیہ ہے۔ وہ شخص قبول کرے اور پھر [illegible] کو ہبہ کر دے۔ اسی طرح یہ دور جاری رکھا جائے یہاں تک کہ تمام

نمازیں میت کے ذمہ سے ساقط ہو جائیں۔ نماز کی طرح ہر روزے کے لیے بھی نصف صاع گیہوں محسوب کیا جائے۔ اگر میت وصیت نہ کرے اور ورثہ تبرعاً اسقاط کرائیں تو یہ بھی جائز ہے۔

روح البیان' جزء اول' ص۹۴۶ میں مذکور ہے کہ مسئلہ اسقاط میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ نماز کے فدیہ میں قدر طعام معتبر ہے نہ کہ عدد مساکین' حتیٰ کہ اگر ایک دن ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں سے زائد دیا جائے تو جائز ہے۔ مگر کفارہ صوم اور کفارہ ظہار اور کفارہ یمین میں عدد مساکین معتبر ہے۔ اور بقدر نصاب یا نصاب سے زائد ایک فقیر غیر مقروض کو دینا مکروہ ہے۔ ہاں اگر فقیر مقروض یا صاحب عیال ہو تو مکروہ نہیں۔ غرض اسقاط کے جواز میں کلام نہیں۔ زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے۔

سوال

کیا بزرگوں کا عرس کرنا جائز ہے؟

جواب

عرس کرنے سے مراد یہ ہے کہ کسی بزرگ کی وفات کے دن قرآن شریف پڑھ کر یا طعام و شیرینی تقسیم کر کے اس کا ثواب اس بزرگ کی روح کو بخشا جائے۔ یہ جائز بلکہ مستحسن ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی ؒ نے "ماثبت بالسنہ" میں اس کو مستحسنات متاخرین سے شمار کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر اکابر سے بھی عرس ثابت ہے۔ اگر بنظر غور دیکھا جائے تو عرس کی اصل خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے کیونکہ حضور انور ہر سال شہدائے احد کی قبور پر تشریف لے جا کر دعا فرمایا کرتے تھے اور آپ کے بعد حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ وفات و میلاد کے دن تہنیت و افادہ کے علاوہ زائرین بھی ان خاص انوار سے

مستفیض ہوتے ہیں جو اس دن وارد ہوتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ نسبت اویسیہ کے بیان میں یوں لکھتے ہیں:

و صاحب ایں نسبت را لابد بہ نسبت آں ارواح محبت و عشق حاصل شود۔ و فنافی الشیخ دست دہد۔ و ایں سرور جمیع احوال وے داخل شود در رنگ آنکہ آب در بیخ نہالے میریزند و تازگی آں در ہر شاخ و برگ و گل و میوہ سرایت میکند و در ہر کسے حالے دیگر و واقعہ دیگر ظاہر شود۔ از ینجاست حفظ اعراس مشائخ و مواظبت زیارت قبور ایشان و التزام فاتحہ خواندن و صدقہ دادن برائے ایشاں و اعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار و اولاد و متسبان ایشان۔ (ہمعات مطبوعہ اسلامی پریس' تحفہ محمدیہ' ص۲۴)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

رفتن بر قبور بعد سالے یک روز معین کردہ سہ صورت است اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر بر قبور محض بنا بر زیارت و استغفار بروند۔ این قدر از روئے روایات ثابت است و در تفسیر در منثور نقل نمودہ کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر میرفتند و دعا برائے مغفرت اہل قبور مے نمودند۔ ایں قدر ثابت و مستحب است۔ دوم انکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند۔ و فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں نمایند۔ ایں قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود۔ اگر کسی ایں طور بکند باک نیست زیرا کہ دریں قسم قبیح نیست بلکہ فائدہ احیا و اموات را حاصل میشود۔ سوم طور جمع شدن بر قبور آنست کہ مردمان یک روز معین نمودہ و لباس ہائے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شادمان شدہ بر قبرہا جمع میشوند۔ رقص و مزامیر و دیگر بدعات ممنوعہ

مثل سجود برائے قبور و طواف کردن قبور مینمائند۔ ایں قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے بحد کفر میرسند و ہمین است محمل ایں دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا چنانچہ در مشکوۃ شریف موجود است اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد ایں ہم در مشکوۃ است۔

(فتاوئی عزیزیہ، جلد اول، ص ۳۸)

بعض لوگ حدیث لا تجعلوا قبری عیدا (میری قبر کو عید نہ بناؤ) کو منع عرس کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ جس کا جواب شاہ صاحب کی عبارت بالا سے ظاہر ہے۔

علامہ سمہودی وفاء الوفا (جز ثانی، ص ۴۱۷) میں یوں لکھتے ہیں:

و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجعلوا قبری عیدا۔ قال الحافظ المنذری یحتمل ان یکون المراد بہ الحث علی کثرہ زیارہ قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم وان یھمل حتی لا یزار الا فی بعض الاوقات کالعید الذی لایاتی فی العام الامرتین قال ویویدہ قولہ لا تجعلوا بیوتکم قبورا ای لا تترکوا الصلوہ فیھا حتی تجعلوھا کالقبور التی لا یصلی فیھا۔ قال السبکی یحتمل ایضا ان یراد لا تتخذوا لہ وقتا مخصوصا لا تکون الزیارہ الا فیہ ویحتمل ایضا ان یراد لا تتخذوہ کالعید فی العکوف علیہ واظھار الزینہ والاجتماع وغیرذلک مما یعمل فی الاعیاد بل لا یاتی الا للزیارہ والسلام والدعاء ثم ینصرف عنہ۔

اور حضور اقدس ﷺ کا قول لا تجعلوا قبری عیدا حافظ منذری نے کہا احتمال ہے کہ اس سے مراد آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کی کثرت پر ترغیب ہو اور اس امر پر کہ وہ یوں نہ چھوڑی جائے کہ بجز بعض اوقات کے زیارت نہ کی جائے مثل عید کے جو سال میں دو دفعہ کے سوا نہیں آتی۔ کہا منذری نے اس معنے کی تائید کرتا ہے قول آنحضرت ﷺ کا کہ تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ یعنی ان میں نماز پڑھنا ترک نہ کرو یہاں تک کہ تم ان کو قبروں کی مثل بنا دو۔ کہ جن میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ امام سبکی نے کہا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ تم قبر شریف کے لیے خاص وقت مقرر نہ کرو کہ بجز اس وقت کے زیارت نہ ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ تم قبر شریف کے مثل عید کو نہ سمجھو کہ اس کی پوجا کرنے لگو اور زینت و اجتماع وغیرہ ظاہر کرنے لگو جو عیدوں میں معمول ہیں۔ بلکہ زائر فقط زیارت اور سلام اور دعا کے لیے آئے پھر وہاں سے چلا جائے۔

پس اس حدیث سے عرس زیر بحث ناجائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سوال

عام لوگ بکرا وغیرہ بنام اولیاء اللہ نذر کرتے ہیں۔ اور کہا کرتے ہیں کہ یہ پیر کا بکرا ہے۔ ایسے بکرے کا کیا حکم ہے؟

جواب

اس قول سے عوام کی مراد یہ ہوتی ہے کہ نذر تو اللہ کے واسطے ہے۔ اور اس کا ثواب اس بزرگ کی روح کے لیے ہے۔ چنانچہ صاحب تفسیر احمدی یوں فرماتے ہیں:

وما اھل بہ لغیر اللہ معناہ — اور جس پر نام پکارا جاوے اللہ کے سوا

ذبح بہ لاسم غیر اللہ مثل — کا اس کے معنے یہ ہیں کہ اللہ کے سوا

لات وعزی واسماء الانبیاء (الی ان قال) ومن ههنا علم ان البقره المنذوره للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب لانه لم یذکر اسم غیر الله علیها وقت الذبح وان کانوا ینذرونها له۔

لات و عزیٰ اور پیغمبروں کے نام لے کر ذبح کیا جائے (یہاں تک کہ مصنف نے کہا) اور یہاں سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جو اولیاء کی نذر کی جاتی ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رسم ہے حلال طیب ہے۔ کیونکہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کے سوا کا نام نہیں لیا جاتا اگرچہ غیر اللہ کے لیے نذر کرتے ہیں۔

صاحب تفسیر احمدی نے آیہ (وما اهل به لغیر الله) کے جو معنے بیان کیے ہیں' وہی تفسیر جلالین و مدارک و خازن و معالم وغیرہ میں موجود ہیں۔ پس اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ کسی حلال جانور کا غیر اللہ کے لیے محض مشہور کیا جانا اس کی حرمت کا باعث نہیں بن سکتا۔ بلکہ ذبح کے وقت اگر بجائے تکبیر کے غیر اللہ کا نام لیا جائے تو وہ حرام ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ الایہ۔

اللہ نے نہیں ٹھہرایا بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حامی۔

(مائدہ: ۱۰۳)

اس آیت پر حاشیہ موضح القرآن میں ہے:

یہ کفر کی رسمیں تھیں کہ مواشی میں کوئی بچہ نیاز رکھتے بت کی تو اس کا کان پھاڑ دیتے نشان کو اور اس کو بحیرہ کہتے۔ اور کوئی جانور بت کے نام پر آزاد کرتے اس کو اس کے اختیار پر چھوڑ دیتے وہ سائبہ تھا۔ اور بعض شخص نے ٹھہرایا کہ جو بچہ نر ہو' وہ بت کی نیاز ذبح کروں اور جو مادہ ہو میں رکھوں۔ پھر اگر نر و مادہ ملے ہوتے تو نر بھی آپ رکھتا مادہ کے ساتھ یہ

وصیلہ تھا۔ اور جس اونٹ کی پشت سے دس بچے پورے ہوتے لائق سواری کے اور بوجھ کے۔ اس اونٹ کو لادنا موقوف کرتے۔ اور جاری پانی پر سے نہ ہانکتے وہ حامی تھا۔ یہ سب غلط رسمیں ڈال کر اس کو حکم شرعی سمجھتے تھے۔

یہ بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حامی اگر تکبیر سے ذبح کیے جائیں تو حلال ہیں۔ جیسا کہ آیہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ (البقرہ: ۱۶۸)

اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے جو حلال ہے ستھرا اور نہ چلو قدموں پر شیطان کے' وہ تمہارا دشمن ہے صریح۔

کے شان نزول سے ظاہر ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:

نزلت فی ثقیف وخزاعه وعامر بن صعصعه وبنی مدلج فیما حرموا علی انفسهم من الحرث والانعام والبحیره والسائبه والوصیله والحام۔

یہ آیت قبیلہ ثقیف اور خزاعہ اور عامر بن صعصعہ اور بنو مدلج کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے نفسوں پر کھیتی اور مواشی اور بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو حرام کر دیا تھا۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

نزلت فی المشرکین الذین حرموا علی انفسهم البحیره و السائبه و الوصیله والحام کماذکره

یعنی یہ آیت ان مشرکین کی شان میں اتری جنہوں نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام کو اپنے نفسوں پر حرام کر دیا تھا جیسا کہ ابن جریر اور ابن عباس رضی اللہ

ابن جریر و ابن عباس رضی عنہمانے ذکر کیا ہے۔
اللہ عنہما۔

اب غور کیجئے کہ جو جانور کان چیر کر بتوں کی نذر کیے جائیں یا ویسے ہی بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جائیں وہ تو بحکم الٰہی اس فعل سے حرام نہ ہوں اور جو اولیاء اللہ کی نذر مشہور کر دیئے جائیں' وہ حرام ہو جائیں۔ یہ صریح بے انصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں میخندند
در سرکار خرابات کنند ایماں را

سوال

کیا اولیاء اللہ اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور غلاف ڈالنا اور چراغ جلانا جائز ہے؟

جواب

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح سفر السعادت (مطبوعہ نو لکشور ص ۲۷۲) میں اس متن (و نہی فرمود کہ بر سر قبرہا مساجد بنا کنند و یا بر سر گورہا چراغ افروزند و بر فاعل آں لعنت کرد و نہی فرمود از نماز گزاردن در گورستان و در برابر گور و نہی فرمود از خوار داشتن گور بحدے کہ پامال کنند یا براں تکیہ کنند یا بالائے آں نشینند) کی شرح میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

آنچہ مصنف ذکر کردہ حق است و احادیث صحیحہ دریں باب وارد۔ واصل سنت در زمان نبوت و خلفائے راشدین و صحابہ ہمیں بود ولیکن بعد ازاں ایں تکلفات در مقابر پیدا شد۔ و مفاخرت و مباہات بداں راہ یافتہ۔ و در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد مقابر مشائخ و عظما دیدہ چیزہا فزودند۔ تا از انجا ہیبت و شوکت اہل

اسلام و ارباب صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہندوستان کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند و ترویج و اعلائے شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشان است و بسا اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔ و اگر جہال و عوام چیزے کنند یقین کہ ارواح بزرگان ازاں راضی نخواہد بود۔ و ساحت کمال و دیانت ایشاں منزہ است ازاں۔ و دفن در جوار قبور صلحا و حضور و شہود در ساحت عزت ایشان موجب برکت و نورانیت و صفا است۔ و زیارت مقامات متبرکہ و دعا در آنجا متوارث است۔ امام شافعی گفتہ اند کہ قبر امام موسیٰ کاظم سلام اللہ علیہ و علی آبائہ الکرام تریاق مجرب است برائے اجابت دعا۔ و در زیارت قبور احترام اہل آں را در استقبال و جلوس و تادب ہماں حکم است کہ در حالت حیات بود۔ کذا قال الطیبی و در بعضے ازیں امور مذکورہ بعض وجوہ در کتب فقہ متاخرین توسع و ترخیصے نیز میتواں یافت واللہ اعلم۔

تفسیر روح البیان (جزء اول' ص ۸۷۹) میں ہے:

قال الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصته ان البدعه الحسنه الموافقه لمقصود الشرع تسمی سنه۔ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء و وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورهم جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامه حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر و کذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من

باب التعظیم و الاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیها مقصد حسن۔ ونذر الزیت و الشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبه فیهم جائز ایضا لا ینبغی النهی عنه۔

شیخ عبدالغنی نابلسی نے جو کشف النور عن اصحاب القبور میں فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو سنت کہلاتی ہے۔ پس علماء و اولیاء و صلحا کی قبروں پر گنبد بنانا اور ان کی قبروں پر پردے اور عمامے اور کپڑے ڈالنا جائز ہے۔ جبکہ اس سے مقصود عوام کی نظروں میں تعظیم ہو تاکہ وہ صاحب قبر کو حقیر نہ سمجھیں۔ اور اسی طرح اولیاء و صلحا کی قبروں کے پاس قنادیل و شمع کا جلانا بھی ان کی تعظیم و قدر افزائی کی قسم سے ہے۔ پس اس میں نیک مقصد ہے۔ اور اولیاء اللہ کے لیے ازروئے تعظیم و محبت روغن زیتون اور شمع کی نذر بھی جو ان کی قبروں کے پاس جلائی جائے جائز ہے۔ ایسی نذر سے منع نہ کرنا چاہیے۔

مرقات شرح مشکوۃ (جزء اول، ص ۳۷۲) میں ہے:

وقد اباح السلف البناء علی قبر المشائخ والعلماء المشهورین لیزورهم الناس ویستریحوا بالجلوس فیه۔

سلف نے مشہور علماء و مشائخ کی قبر پر عمارت کو روا رکھا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں۔ اور اس میں بیٹھ کر آرام پائیں۔

رد المحتار حاشیہ در مختار (مطبوعہ مصر، جزء خامس، کتاب الحظر و الاباحہ، فصل فی اللبس، ص ۲۵۳) میں ہے:

کرہ بعض الفقهاء وضع

بعض فقہاء نے صالحین اور اولیاء کی

الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین و الاولیاء قال فی فتاوی الحجه وتکره الستور علی القبور۔

قبروں پر پردوں، عماموں اور کپڑوں کے ڈالنے کو مکروہ کہا ہے۔ فتاویٰ حجہ میں کہا کہ قبروں پر پردے مکروہ ہیں۔

ولکن نحن نقول الان اذا قصد به التعظیم فی عیون العامه حتی لا یحتقروا صاحب القبر و لجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فهو جائز لان الاعمال بالنیات و ان کان بدعه فهو کقولهم بعد طواف الوداع یرجع القهقری حتی یخرج من المسجد اجلالا للبیت حتی قال فی منهاج السالکین انه لیس فیه سنه مرویه و لا اثر محکی و قد فعله اصحابنا اه کذا فی کشف النور عن اصحاب القبور للاستاد عبدالغنی

لیکن ہم اب کہتے ہیں کہ جب اس سے مقصود عام لوگوں کی نظروں میں صاحب قبر کی تعظیم ہو اور یہ غافل زائرین کے ادب و خشوع پیدا کرنے کے لیے ہو تو جائز ہے کیونکہ اعمال نیتوں پر موقوف ہیں۔ اگرچہ یہ بدعت ہے۔ پس یہ امر فقہاء کے اس قول کی مثل ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعظیم کے لیے طواف وداع کے بعد رجعت قہقری کرے یہاں تک کہ مسجد حرام سے نکل جائے۔ حتیٰ کہ منہاج السالکین میں کہا کہ اس بارے میں نہ کوئی سنت آئی ہے نہ کوئی اثر۔ حالانکہ اس کو ہمارے اصحاب نے کیا ہے۔

النابلسی قدس سرہ۔

کشف النور عن اصحاب القبور مصنفہ استاد عبدالغنی نابلسی قدس سرہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔

سوال

دستور ہے کہ مردے کے کفن کو آب زمزم سے تر کرتے ہیں۔ اور ستر کعبہ یا کوئی اور تبرک کفن میں شامل کر دیتے ہیں۔ اور عہد نامہ یا کلمہ شریف کفن پر لکھتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہیں۔

جواب

حجتہ الاسلام امام غزالی (مضنون کبیر، ص۲۹-۳۰) میں تحریر فرماتے ہیں:

لو وضع شعر رسول الله صلى الله عليه وسلم اوعصاه اوسوطه على قبر عاص اومذنب نجا ذالك المذنب ببركات تلك الذخيره من العذاب و ان كانت فى دار انسان او بلده لا يصيب تلك الدار و اهلها و تلك البلده و سكانها ببركاتها بلاء وان لم يشعر بها صاحب الدار و ساكن البلده (الى ان قال) وكل من اطاع سلطانا وعظمه فاذا دخل بلدته و راى فيها سهما من جهه ذلك السلطان اوسوطاله فانه يعظم تلك البلده فالملائكه عليهم السلام يعظمون النبى اذا راوا ذخائره فى دار او بلده او قبر عظموا صاحبه و خففوا عليه العذاب و لذلك السبب ينفع الموتى ان توضع على قبورهم المصاحف ويتلى القرآن على رءوس

قبورهم ويكتب القرآن على قراطيس و توضع القراطيس فى ايدى الموتى۔

اگر رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک یا آپ کا عصا مبارک یا آپ کا کوڑا مبارک کسی عاصی یا گنہگار کی قبر پر رکھا جائے تو وہ گنہگار اس ذخیرے کی برکتوں سے عذاب سے نجات پاتا ہے۔ اگر یہ ذخیرہ کسی انسان کے گھر یا کسی شہر میں ہو تو اس گھر اور گھر والوں اور اس شہر اور باشندگان شہر کو اس کی برکتوں سے کوئی بلا نہیں پہنچتی۔ اگرچہ صاحب خانہ اور باشندہ شہر کو اس ذخیرہ کا علم نہ ہو (یہاں تک کہ کہا مصنف نے) اور جو کسی بادشاہ کی اطاعت و تعظیم کرتا ہو جب وہ اس بادشاہ کے شہر میں داخل ہو اور اس میں اس بادشاہ کی ترکش کا ایک تیر دیکھے یا اس کا کوڑا دیکھے تو وہ اس شہر کی تعظیم کرے گا۔ اسی طرح ملائکہ علیہم السلام آپ ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ پس جب وہ کسی گھر یا شہر یا قبر میں آپ کے ذخائر کو دیکھتے ہیں تو وہ صاحب قبر کی عزت کرتے ہیں اور اس پر عذاب ہلکا کر دیتے ہیں۔ اسی سبب سے مردوں کی قبروں پر قرآن مجید کا رکھا جانا اور ان کی قبروں کے پاس قرآن مجید کا پڑھا جانا اور کاغذوں پر قرآن شریف لکھ کر مردوں کے ہاتھوں میں رکھا جانا فائدہ دیتا ہے۔

تفسیر روح البیان (جزء اول، ص۷۸۵) میں بحوالہ اسرار محمدیہ وان لم یشعر بہا کے بعد یہ بھی لکھا ہے:

ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به وبطانه استار الكعبه والتكفن بها۔

اسی قبیل سے ہیں آب زمزم اور آب زمزم سے تر کیا ہوا کفن اور ستر کعبہ کا استر اور اس کو کفن بنانا۔

طبقات ابن سعد (جزء خامس، ترجمہ عمر بن عبدالعزیز، ص ۳۰۰) میں ہے:

اخبرنا محمد بن عمر قال نا محمد بن مسلم بن حمار عن عبدالرحمن بن محمد بن عبدالله قال اوصی عمر بن عبدالعزیز عند الموت فدعا بشعر من شعر النبی صلی الله علیه وسلم و اظفار من اظفاره وقال اذامت فخذوا الشعر و الاظفار ثم اجعلوه فی کفنی ففعلوا ذلک۔

خبر دی ہم کو محمد بن عمر نے۔ کہا خبر دی ہم کو محمد بن مسلم بن حمار نے عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ سے کہ کہا اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے موت کے وقت وصیت کی۔ پس نبی ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن مبارک طلب کیے اور فرمایا کہ جب میں مر جاؤں، ان موئے مبارک و ناخن مبارک کو لے کر میرے کفن میں رکھ دینا۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

درمختار میں لکھا ہے کہ "اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہدنامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میت کو بخش دے"۔ اس پر شامی نے بحث کی ہے اور نظر بر احترام قرآن مجید و اسمائے حسنیٰ اس کے جواز میں تامل کیا ہے۔ (ردالمحتار، جزء اول، ص ۶۶۷)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

شجرہ در قبر نہادن معمول بزرگان است۔ لیکن ایں را دو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالائے کفن گزارند۔ ایں طریق را فقہاء منع میکنند و میگویند کہ از بدن مردہ خون و ریم سیلان مے کند و موجب سوء ادب باسماء بزرگان میشود۔ و طریق دوم ایں ست کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بہ گزارند۔ و در آں کاغذ شجرہ رانہند۔

(فتاویٰ عزیزیہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، جلد اول، ص ۱۷۳)

پس اگر عہدنامہ کو بھی قبر کے اندر مردے کے سرہانے ایک طاقچہ میں رکھ دیں تو اس کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہیں۔

سوال

کیا والدین اور اولیاء صالحین کی قبروں کو بوسہ دینا اور اماکن متبرکہ اور بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز ہے؟

جواب

بہ نیت تبرک جائز بلا کراہت ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری (کتاب الکراہیہ، باب ۱۶) میں ہے:

ولا یمسح القبر ولا یقبله فان ذلک من عادة النصاری ولا باس بتقبیل قبر والدیه کذافی الغرائب۔

قبر پر ہاتھ نہ ملے اور نہ اس کو بوسہ دے کیونکہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور والدین کی قبر کے بوسہ دینے میں کچھ ڈر نہیں۔

علامہ ابن مرزوق قصیدہ بردہ کی بیت لا طیب یعدل کی شرح میں لکھتے ہیں:

فلیس المراد به تقبیل القبر الشریف فانه مکروہ۔

الشام سے مراد قبر شریف کو بوسہ دینا نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

اس پر علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

الا لقصد تبرک فلا کراهه کما اعتمده الرملی۔

اگر بہ قصد تبرک قبر شریف کو بوسہ دے تو بلا کراہت جائز ہے جیسا کہ علامہ رملی نے فتویٰ دیا ہے۔

(شرح زرقانی علی المواهب، جزء ثامن، ص ۳۱۵)

علامہ بدر الدین عینی حنفی (عمدة القاری شرح صحیح بخاری، جزء رابع، ص ۵۰۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

و قال (شيخنا زين الدين) ايضا واما تقبيل الاماكن الشريفه على قصد التبرك و كذلك تقبيل ايدى الصالحين و ارجلهم فهو حسن محمود باعتبار القصد والنيه وقد سال ابو هريره الحسن رضى الله تعالى عنه ان يكشف له المكان الذى قبله رسول الله صلى الله عليه وسلم و هو سرته فقبله تبركا باثاره و ذريته صلى الله عليه وسلم وقد كان ثابت البنانى لا يدع يد انس رضى الله عنه حتى يقبلها و يقول يد مست يد رسول الله صلى الله عليه وسلم و قال ايضا و اخبرنى الحافظ ابوسعيد بن العلائى قال رايت فى كلام احمد بن حنبل فى جزء قديم عليه خط ابن ناصر وغيره من الحفاظ ان الامام احمد سئل عن تقبيل قبر النبى صلى الله عليه وسلم و تقبيل منبره فقال لاباس بذلك قال فاريناه للشيخ تقى الدين بن تيميه فصار يتعجب من ذلك ويقول عجبت احمد عندى جليل يقوله هذا كلامه او معنى كلامه و قال واى عجب فى ذلك وقد روينا عن الامام احمد انه غسل قميصا للشافعى وشرب الماء الذى غسله به و اذا كان هذا تعظيمه لاهل العلم فكيف بمقادير الصحابه و كيف باثار الانبياء عليهم الصلاه و السلام- ولقد احسن

مجنون ليلى حيث يقول۔

امر على الديار ديار ليلى
اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا
وما حب الديار شغفن قلبى
ولكن حب من سكن الديارا

وقال المحب الطبرى و يمكن ان يستنبط من تقبيل الحجر واستلام الاركان جواز تقبيل ما فى تقبيله تعظيم الله تعالى فانه ان لم يرد فيه خبر بالندب لم يرد بالكراهيه قال وقد رايت فى بعض تعاليق جدى محمد بن ابى بكر عن الامام ابى عبدالله محمد بن ابى الصيف ان بعضهم كان اذا راى المصاحف قبلها واذا راى اجزاء الحديث قبلها واذا راى قبور الصالحين قبلها قال ولا يبعد هذا والله اعلم فى كل مافيه تعظيم لله تعالى-

اور (ہمارے شیخ زین الدین نے) یہ بھی کہا کہ تبرک کے ارادے سے اماکن شریفہ کو بوسہ دینا اور اسی طرح صالحین کے ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ دینا ارادے اور نیت کے اعتبار سے اچھا پسندیدہ ہے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ آپ میرے لیے وہ جگہ برہنہ کر دیں جسے رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا اور وہ آپ کی ناف مبارک تھی۔ پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کی ذریت اور آپ کے آثار کو متبرک سمجھ کر اسے بوسہ دیا۔ اور حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ بوسہ دیئے بغیر نہ چھوڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ ہاتھ ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چھوا ہے۔ اور شیخ زین الدین نے یہ بھی بیان کیا کہ مجھے حافظ ابو سعید بن العلائی نے خبر دی کہا (حافظ موصوف نے) کہ میں نے امام احمد بن حنبل کے کلام میں ایک پرانے جزء میں جس پر ابن ناصر وغیرہ حفاظ کی تحریر تھی یہ لکھا دیکھا ہے کہ امام احمد سے نبی ﷺ کی قبر شریف اور منبر شریف کے بوسہ دینے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ اس میں کچھ ڈر نہیں۔ حافظ موصوف کا بیان ہے کہ ہم نے یہ مسئلہ ابن تیمیہ کو دکھایا وہ اس پر تعجب کرنے لگا اور کہنے لگا مجھے تعجب ہے امام احمد میرے نزدیک بزرگ شخص ہیں۔ یہ ابن تیمیہ کا کلام ہے یا اس کے کلام کے معنے ہیں۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ اس میں کیا عجب ہے ہم سے امام احمد کی نسبت روایت کی گئی کہ آپ نے امام شافعی کی قمیص کو دھویا اور اس کا غسالہ پی لیا۔ جب آپ اہل علم کی اتنی تعظیم کرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار اور حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے آثار کی کس قدر تعظیم کرتے ہوں گے۔ اور لیلیٰ کے عاشق مجنوں نے اچھا کہا ہے۔

امر علی الدیار دیار لیلی
اقبل ذا الجدار و ذا الجدارا

"میں لیلیٰ کے گھروں پر گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس دیوار کو"۔

وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

"اور گھروں کی محبت نے میرے دل کو فریفتہ نہیں کیا بلکہ گھروں میں رہنے والوں کی محبت نے"۔

اور محب طبری نے کہا کہ حجر اسود اور ارکان کعبہ کو بوسہ دینے سے یہ مسئلہ نکل سکتا ہے کہ جس شے کے بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس کا بوسہ دینا جائز ہے۔ کیونکہ اگر اس کے استحباب میں کوئی حدیث نہیں آئی تو اس کی کراہیت میں بھی کوئی حدیث وارد نہیں۔ کہا (محب طبری نے) کہ میں نے اپنے جد بزرگوار محمد بن ابی بکر کی ایک تعلیق میں بروایت امام ابو عبداللہ محمد بن ابی الصیف دیکھا ہے کہ ایک بزرگ جب قرآن کریم کو دیکھتا تو اسے بوسہ دیتا۔ اور جب حدیث کے اجزاء کو دیکھتا تو انہیں بوسہ دیتا۔ اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتا تو انہیں بوسہ دیتا اور جس شے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو اس میں یہ بعید نہیں۔ واللہ اعلم۔

بزرگوں کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن کے ایراد کی یہاں گنجائش نہیں۔

سوال

کیا بزرگان دین کے مزارات پر خوشبودار پھول رکھنے جائز ہیں؟

جواب

عن ابن عباس قال مر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدهما فکان لا یستتر من البول و فی روایه لمسلم لا یستنزه من البول واما الاخر فکان یمشی بالنمیمه ثم اخذ جریده رطبه ثم غرز فی کل قبر واحده قالوا یا رسول الله لم صنعت هذا فقال لعله

ان یخفف عنھما مالم ییبسا متفق علیہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو قبروں سے گزرے۔ پس آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں عذاب دیئے جاتے ہیں اور کسی بڑے(ا) گناہ کے سبب عذاب نہیں دیئے جاتے۔ ان میں سے ایک تو پیشاب سے پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا اور دوسرا غیبت کے لیے لوگوں کی طرف جایا کرتا تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی تر شاخ لی اور اسے دو ٹکڑے کیا پھر ہر قبر میں ایک ایک گاڑ دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ آپ نے یہ کیوں کیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا بدیں امید کہ ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کی جائے یہاں تک کہ یہ دو ٹکڑے خشک ہو جائیں۔ (مشکوۃ 'کتاب الطہارۃ 'باب آداب الخلاء)

شیخ عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

و در توجیہ ایں حدیث علما را اختلاف است کہ بنائے امید داشت تخفیف عذاب تا مدت رطوبت آں شاخہا بر چیست۔ بعض مردم بر آنند کہ بنائے آں بر آن است کہ نباتات تا زمانے کہ تر وتازہ اند تسبیح مے گویند حق را۔ و مراد بہ شے در کریمہ (وان من شئی الا یسبح بحمدہ) شے حی است و حیات چوب تا زمانے است کہ خشک نہ شدہ است۔ و حیات سنگ تا شکستہ شدہ یا تسبیح خاص مخصوص بحی است و آنکہ عام است ہر شے را بہ معنی دلالت بر وجود صانع و وحدت و صفات کمال اوست۔ و تمسک کنند ایں جملہ بایں حدیث در انداختن سبزہ و گل

(ا) عذاب کردہ نے شوند بجہت گناہے بزرگ یعنی در گمان ایشان یا در کارے کہ شاق و دشوار بود پرہیز کردن ازاں نہ آنکہ آں چیز در دین کارے آسان است و شناعتے ندارد و ہم چنیں باشد کہ تلوث بول و تلبس بہ نمیمہ از شنائع و قبائح عظیمہ اند در دین۔ (اشعۃ اللمعات)

ریحان بر قبور۔ و خطابی کہ از ائمہ اہل علم و قدوہ شراح حدیث است ایں قول را رد کردہ است و انداختن سبزہ و گل را بر قبور بہ تمسک بایں حدیث انکار نمودہ و گفتہ کہ ایں سخن اصلے ندارد و در صدر اول نبودہ۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔ (اشعۃ اللمعات' جلد اول' ص ۲۱۵)

علامہ ابن حجر شافعی نے خطابی کے اعتراض کا یوں جواب دیا ہے:

قولہ لا اصل لہ ممنوع بل ھذا الحدیث اصل اصیل لہ و من ثم افتی بعض الائمہ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان و الجرید سنہ لھذا الحدیث۔

خطابی کا یہ قول کہ قبروں پر سبزہ و گل ڈالنے کی کوئی اصل نہیں ممنوع ہے۔ بلکہ یہ حدیث اس عمل کے لیے اصل اصیل ہے۔ اسی واسطے ہمارے اصحاب متاخرین میں سے بعض ائمہ نے فتویٰ دیا ہے کہ قبر پر شاخ خرما اور ریحان کا رکھنا اس حدیث کی رو سے سنت ہے۔

(مرقات' شرح مشکوۃ' جزء اول' ص ۲۸۶)

علامہ ابن عابدین اس حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں:

ویوخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاس ونحوہ وصرح بذلک ایضا جماعہ من الشافعیہ وھذا اولی مما قالہ بعض المالکیہ من ان التخفیف عن القبرین انما حصل ببرکہ یدہ الشریفہ صلی اللہ علیہ وسلم او دعائہ لھما فلا یقاس علیہ غیرہ۔ وقد ذکر البخاری فی صحیحہ ان بریدہ بن الخصیب رضی اللہ عنہ اوصی بان یجعل

فی قبرہ جریدتان۔ واللہ تعالی اعلم۔

نباتات کی تسبیح اور اس حدیث سے یہ مسئلہ لیا جاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے لیے شاخ کا قبر پر رکھنا مستحب ہے اور یہ جو ہمارے زمانے میں عادت ہے کہ قبروں پر آس کی شاخیں اور اس طرح کی اور چیزیں رکھتے ہیں وہ اسی پر قیاس کیا جاتا ہے۔ اور شافعیہ کی ایک جماعت نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بہتر ہے اس سے جو بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ دونوں قبروں سے تخفیف صرف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی برکت سے یا آپ کی دعا سے ہوئی۔ اس لیے اس پر غیر کو قیاس نہ کیا جائے۔ اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ میری قبر میں کھجور کی دو شاخیں رکھی جائیں۔ واللہ اعلم۔

(ردالمحتار، جزء اول، ص ٦٦٧)

جب میں بعون الٰہی یہ کتاب یہاں تک لکھ چکا تو مجھے بسبیل ڈاک مولوی محمد فاضل صاحب کا اشتہار ملا۔ جو بلفظہ مع جواب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

کہ عام مردگان یا اولیاء اللہ بعد الموت زیارت کرنے والوں کا سلام کلام سنتے ہیں یا نہ جو کچھ جواب ہووے بمعہ نام کتاب و نقل عبارت ہو۔ بینوا توجروا عند اللہ الوھاب یوم الحساب۔

الجواب

علاوہ انبیاء علیہم السلام و شہدائے کرام تمام مردگان عموماً کچھ نہیں سنتے۔ اور نہ ان میں سننے سمجھنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔ لان المقصود من کلام

الافہام و الموت ینافیہ (ہدایہ یوسفی آخرین، جلد ۳، ص ۴۸۳) والموت ینافیہ لانہ لا یسمع ولا یفہم (فتح القدیر، نولکشوری، باب الایمان، جلد ۴، ص ۵۶۰) والموت ینافی الکلام لان المراد من الکلام الاسماع والمیت لیس باھل للاسماع (عینی شرح ہدایہ نولکشوری، جلد ۲، ص ۶۳۰ / ۲۰) لان المقصود من الکلام الافہام والموت ینافیہ (شامی، جلد ۳، ص ۱۳۳ / ۱۶) انما السماع یستلزم الحیاہ وھی مفقودہ وانما تجیی عند السوال (طحاوی علی المراقی الفلاح، ۳۲۷ / ۱۲) عند اکثر مشائخنا ھو ان المیت لا یسمع (فتح القدیر، باب الجنائز، نولکشوری، جلد ۱، ص ۲۷۳ / ۲۴) لان المیت لا یسمع بنفسہ (شرح فقہ اکبر علی قاری، ص ۱۵۹ / ۲) ولھذا شبہ الکفار بالموتی لان المیت لا یسمع ولا یتکلم (خازن، جلد ۲، ص ۱۵) ومعنی الایہ انھم لفرط اعرابھم عما یدعون الیہ کالمیت الذی لاسبیل الی سماعہ

(خازن، جلد ۳، ص ۴۱۹ / ۹)

اکثر عدم جواز استمداد کے قائل ہیں اس بنا پر کہ سماع اموات ثابت نہیں (فتاویٰ عبدالحیٔ، جلد اول، ص ۱۳۳۸ / ۱۳) یہ تمام عبارتیں کتب فقہائے حنفی المذہب کی ہیں جو کہ متفق اللفظ ہو کر حکم سناتے ہیں کہ مراد کلام کرنے سے مخاطب کا سننا یا سمجھنا ہوتا ہے اور موت سننے و سمجھنے دونوں کو اڑا دیتی ہے۔ جس بنا پر تمام فقہائے حنفیہ و بعض شافعیہ فرماتے ہیں کہ مردہ کچھ نہیں سنتا۔ والسلام علی من اتبع الھدی۔

المشتہر: خادم العلماء محمد ابو عبدالحیٔ فاضل امام مسجد چک نمبر ۲۸۷، شمالی گوگیرہ، برانچ ڈاک خانہ، چک نمبر ۲۵۶، براستہ تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ، ضلع لائل پور۔

اقول وباللہ التوفیق

مجیب نے جو عبارات کتب فقہ سے نقل کی ہیں وہ مسئلہ یمین کے متعلق ہیں۔ مسئلہ یمین یوں ہے کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا تو یہ قسم اس شخص کی حیات پر مقصور ہوگی۔ اصل مسئلہ صرف اتنا ہی ہے اور یہی کتب ظاہر روایت میں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ امام صاحب کے بہت مدت بعد اس متن کی شرح میں قسم زیر بحث کے حالت حیات پر مقصور ہونے کی یہ وجہ درج کر دی گئی کہ کلام سے مقصود سمجھانا ہوتا ہے۔ مگر مردہ نہ سنتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ پس اگر موت کے بعد اس شخص سے کلام کرے گا تو حانث نہ ہوگا۔ یہی وجہ مجیب نے مختلف کتابوں سے نقل کی ہے۔ ہم اس پر بحوالہ کتب مفصل بحث کر آئے ہیں۔ لہٰذا یہاں اس کا بقدر ضرورت خلاصہ مگر مع الاضافہ درج کیا جاتا ہے۔ عبارات مندرجہ اشتہار سے تو مجیب کی سمجھ کے مطابق انبیائے کرام و شہدائے عظام کا سماع بھی ثابت نہیں ہوتا۔ ان عبارتوں میں اگر میت سے مراد فقط بدن مردہ ہے تو اس کے عدم سماع میں کسی کو کلام نہیں۔ ہاں اگر اس سے مراد بدن مردہ کے ساتھ روح کی موت بھی ہے تو روح کی موت بدیں معنے کہ اس کو بدن سے مفارقت کے سبب فقط تالم ہوتا ہے مسلم ہے، اور سماع موتی کے یہی معنے ہیں کہ روح جس پر

اس طرح موت وارد ہو چکی ہے بتوسط ابدان یا بلا توسط ابدان سنتی ہے۔ مگر بدیں معنی کہ بدن کی موت کے ساتھ روح کے ادراکات زائل ہو جاتے ہیں اور وہ نیست و نابود ہو جاتی ہے مسلم نہیں۔ کیونکہ یہ حنفیہ کرام کا مذہب نہیں بلکہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ حنفیہ کرام کیا بلکہ تمام اہل سنت و جماعت کا اعتقاد ہے کہ موتی کے لیے ادراکات مثل علم و سمع ثابت ہیں۔ اور یہی قرآن کریم اور آثار و احادیث صحیحہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا عبارات زیر بحث میں میت سے شارحین کی مراد بدن مردہ ہے جس سے روح پرواز کر چکی ہو۔ اور سیاق (قبر میں حیات کا دیا جانا) بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اگر کوئی حنفی بھائی اصرار کرے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ نہ بدن مردہ سنتا ہے اور نہ روح مردہ سنتی ہے تو میں نہایت ادب سے یہ گزارش کروں گا کہ جن مشائخ کی طرف ایسے عدم سماع کا قول منسوب ہے وہ یقیناً معتزلی الاصول حنفی الفروع اصحاب ہیں جو مشائخ حنفیہ میں شمار ہوتے رہے ہیں جیسا کہ جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں معتزلہ کا یہ قول سہواً کسی شرح میں درج ہوگیا پھر بغیر تدبر و تنبیہ کے یکے بعد دیگرے اسی کو نقل کرتے چلے آئے ایسا ہونا کچھ محال نہیں۔

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کو دیکھیے کہ تفسیر مدارک میں اللہ یتوفی الانفس۔ الایہ کی تفسیر میں جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف کی عبارت لفظ بلفظ نقل کر گئے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موت سے روح کے ادراکات سلب ہو جاتے ہیں۔ بریں تقدیر عبارات زیر بحث سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ علامہ شامی و طحطاوی و علی القاری و عینی وغیرہ سماع موتی کے قائل نہیں کیونکہ سماع موتے تو اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔ یہ بزرگ کس طرح اس کی خلاف ورزی کر سکتے تھے۔ توضیح مطلب کے لیے ہم ان کی دوسری عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

علامہ شامی زیارت قبور کے آداب کو یوں لکھتے ہیں:

وفی شرح اللباب للملا علی القاری ثم من آداب

الزیارہ ما قالوا من انہ یاتی الزائر من قبل رجلی المتوفی لامن قبل راسہ لانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ لکن ھذا اذا امکنہ والافقد ثبت انہ علیہ الصلاہ والسلام قرا اول سورہ البقرہ عند راس میت وآخرھا عند رجلیہ ومن آدابھا ان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لا علیکم السلام فانہ ورد السلام علیکم دار قوم مومنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون ونسال اللہ لنا ولکم العافیہ ثم یدعو قائما طویلا و ان جلس یجلس بعیدا او قریبا بحسب مرتبتہ فی حال حیاتہ اھ۔

لباب المناسک کی شرح جو ملا علی القاری نے لکھی ہے اس میں یہ لکھا ہے پھر زیارت قبور کے آداب میں سے فقہاء نے یہ بتایا ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے۔ اور سر کی طرف سے نہ آئے۔ کیونکہ سر کی طرف سے آنا میت کی بصر کے لیے زیادت مشقت کا باعث ہے۔ بخلاف صورت اول کے کیونکہ وہ میت کی بصر کے مقابل ہوگا۔ مگر یہ حکم جب ہے کہ ایسا کرنا ممکن ہو۔ ورنہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ بقرہ کا اول میت کے سر کے پاس اور اسی سورہ کا آخر میت کے پاؤں کے پاس پڑھا۔ اور آداب زیارت سے یہ ہے کہ بنا بر قول صحیح لفظ السلام علیکم سے سلام کرے نہ کہ علیکم السلام سے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون ونسال اللہ لنا ولکم العافیہ پھر

دیر تک کھڑے ہو کر دعا مانگے۔ اگر زائر بیٹھے تو حالت حیات میں جو میت کا مرتبہ تھا اسے ملحوظ رکھ کر دور یا نزدیک بیٹھے۔

(ردالمختار، جزء اول، ص ۶۶۳)

اس عبارت میں سلام کہنے والے کو زائر کہا گیا۔ اگر مزور کو زیارت کا علم نہ ہو تو اس کے سلام کہنے والے کو زائر نہیں کہتے۔ اور آداب زیارت میں سے ایک یہ بتایا گیا کہ میت کو سلام کے وقت زندہ شخص کی طرح جو سنتا سمجھتا ہو خطاب کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اور میت کا دیکھنا بھی مذکور ہے۔ اور پھر یہ بھی حکم ہے کہ میت کی تعظیم حالت حیات کی طرح کرنی چاہیے۔ شامی نے اسی صفحہ (جزء اول، ص ۶۶۴) پر محمد بن واسع کا یہ قول نقل کر کے برقرار رکھا ہے کہ مردے جمعہ کو اور اس سے ایک دن آگے پیچھے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ شامی سماع موتے کے قائل ہیں۔

اسی طرح علامہ ابن الہمام آداب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

وقالوا فی زیارہ القبور مطلقا الاولی ان یاتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل راسہ فانہ اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ لان بصرہ ناظرالی جھہ قدمیہ اذ کان علی جنبہ۔

اور فقہاء نے مطلق زیارت قبور میں فرمایا ہے کہ اولی یہ ہے کہ زیارت کرنے والا میت کے پاؤں کی طرف سے آئے نہ کہ اس کے سر کی طرف سے۔ کیونکہ سر کی طرف سے آنا میت کی بصر کے لیے زیادہ مشقت کا باعث ہے۔ بخلاف صورت اول کے کیونکہ وہ میت کی بصر کے مقابل ہوگا۔ اس لیے کہ میت کی بصر اس کے قدموں کی طرف دیکھنے والی

ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے پہلو پر ہوتا ہے۔ (فتح القدیر' جزء ثالث' ص ۹۵)

مجیب نے حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی ہے وہ اس میں نہیں ہے بلکہ اس میں تو زیارت القبور کے بیان میں یوں لکھا ہے:

واخرج ابن ابی الدنیا والبیھقی فی الشعب عن محمد بن واسع قال بلغنی ان الموتی یعلمون بزوارھم یوم الجمعہ ویوما قبلہ ویوما بعدہ وقال ابن القیم الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور وسمع سلامہ وانس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانہ لاتوقیت فی ذلک قال وھو اصح من اثر الضحاک الدال علی التوقیت۔

ابن ابی الدنیا نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں محمد بن واسع سے روایت کی کہ کہا محمد بن واسع نے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ مردے جمعہ کے دن اور جمعہ سے ایک دن پہلے اور ایک دن پیچھے اپنے زیارت کرنے والوں کو جانتے ہیں۔ اور ابن قیم نے کہا کہ احادیث و آثار دلالت کرتے ہیں کہ زیارت کرنے والا جب آتا ہے تو مزور کو اس کا علم ہو جاتا ہے اور وہ اس کا سلام سن لیتا ہے۔ اور اس سے میت کا دل بہلتا ہے۔ اور وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہ (یعنی میت کو علم ہو جانا اور زائر کے سلام کا جواب دینا وغیرہ) شہداء اور غیر شہداء کے حق میں عام ہے اور اس کے لیے کسی خاص وقت کی قید نہیں۔ اور ابن قیم نے کہا کہ یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ ضحاک کی روایت سے جو توقیت پر دلالت کرتی ہے۔ (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح' مطبوعہ مصر' ص ۳۴۰)

اس سے علامہ طحطاوی کا عقیدہ درباب سماع موتی ظاہر ہے۔ مجیب نے جو شرح فقہ اکبر کا حوالہ دیا ہے' وہ اسے مفید نہیں۔ اہل سنت و جماعت کا قول ہے کہ میت کو غیر کے عمل کا ثواب بصورت ایصال پہنچتا ہے جو اس کے منکر ہیں وہ ایک تو آیہ وان لیس للانسان الا ما سعی پیش کرتے ہیں اور دوسرے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد: اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثہ۔ (الحدیث)(۱)

ملا علی القاری نے آیت کا جواب دے کر اس حدیث کا جواب یوں دیا ہے:

واما الحدیث فیدل علی انقطاع عملہ ونحن نقول بہ وانما الکلام فی وصول ثواب غیرہ الیہ والموصل للثواب الی المیت ھواللہ تعالی سبحانہ لان المیت لایسمع بنفسہ والقرب والبعد سواء فی قدرہ الحق سبحانہ۔

رہی حدیث سو وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مردے کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں۔ کلام تو صرف اس میں ہے کہ غیر کے عمل کا ثواب مردے کو پہنچتا ہے' اور میت کو ثواب پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کیونکہ مردہ بالذات سنتا نہیں اور اللہ پاک کی

(۱) عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثہ صدقہ جاریہ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔ رواہ مسلم۔ (مشکوۃ کتاب العلم فصل اول)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کے عمل کا ثواب منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل سے صدقہ جاریہ یا علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک فرزند جو اس کے حق میں دعا کرے۔

قدرت میں نزدیکی اور دوری برابر ہے۔

(شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۱۵۹)

یہ عبارت شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر اور مطبوعہ لاہور میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر میرے خیال میں یہاں کاتب کی غلطی ہے۔ کیونکہ عدم سماع بالذات اپنے ماقبل کی علت نہیں ٹھہر سکتا۔ پس لا یسمع بنفسہ کی جگہ لا یتمتع بنفسہ (یعنی مردہ بذات خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا) ہونا چاہیے۔ شیخ اسماعیل حقی اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

والحاصل ان المراد بهذا الحديث عمله المضاف الى نفسه فهو منقطع و اما العمل المضاف الى غيره فلا ينقطع فللغيران يجعل ما له من اجر عمله الى من اراد۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے مراد مردے کا عمل ہے جو اس کی ذات کی طرف منسوب ہو سو یہ منقطع ہے۔ رہا وہ عمل جو غیر کی طرف منسوب ہو وہ منقطع نہیں۔ غیر کو جائز ہے کہ اپنے عمل کا ثواب جس کو چاہے بخش دے۔ (تفسیر روح البیان، جزء رابع، ص ۱۶۸)

اگر لا یسمع بنفسہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ہمیں مضر نہیں اور مجیب کو مفید نہیں۔ کیونکہ سماع بالذات کا کوئی قائل نہیں۔ مجیب نے اس مقام پر تدبر سے بالکل کام نہیں لیا۔ اس سے چند سطریں پہلے یہ عبارت ہے:

و الشافعی رحمه الله جوز هذا فی الصدقه و العباده المالیه وجوزه فی الحج واذا قری فللمیت اجر المستمع و منع وصول ثواب القرآن الی الموتی وثواب الصلوه والصوم وجمیع الطاعات و

العبادات غیر المالیه وعند ابی حنیفه رحمه الله و اصحابه یجوز ذلک وثوابه الی المیت۔

اور امام شافعی اس کو جائز رکھتے ہیں کہ صدقہ اور عبادت مالیہ اور حج کا ثواب مردے کو پہنچ جاتا ہے اور جب (قبر پر) قرآن پڑھا جائے تو مردے کو سننے والے کا ثواب ملتا ہے اور وہ (یعنی امام شافعی) عبادات مالیہ کے سوا تمام طاعات و عبادات اور صوم و صلوۃ اور قرآن کا ثواب مردے کو پہنچنے کے قائل نہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک یہ سب جائز ہے اور اس کا ثواب مردے کو ملتا ہے۔

(شرح فقہ اکبر، مطبوعہ مجتبائی، ص ۱۵۸)

فخر الملۃ والدین قاضی خاں محمود اوزجندی حنفی (متوفی ۵۹۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

و ان قرء القرآن عند القبور ان نوى بذلك ان يونسهم صوت القرآن فانه يقرء فان لم يقصد ذلك فالله تعالى يسمع قراءه القرآن حيث كانت۔

اگر قبروں کے پاس قرآن پڑھے تو اگر اس سے یہ نیت کرے کہ قرآن کی آواز مردوں کا جی بہلائے گی بے شک پڑھے۔ اگر یہ مقصود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ قرآن کی قراءت سنتا ہے جہاں وہ قراءت ہو۔

(فتاویٰ قاضی خان، کتاب الحظر والاباحہ، فصل فی التسبیح والتسلیم والصلوۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

حاصل کلام یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک چونکہ عبادات بدنیہ محضہ مثلاً نماز و تلاوت کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اس لیے ان کے نزدیک میت کو صرف قرآن سننے والے کا ثواب ہوگا اور حنفیہ کرام چونکہ قائل ہیں کہ مردے کو عبادات مالیہ و بدنیہ کا

ثواب پہنچتا ہے اس لیے ان کے نزدیک اس صورت میں میت کو نفس ثواب قاری ملے گا اور مردہ اگرچہ قراءت سنتا ہے مگر سننے کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ اس کا عمل منقطع ہو چکا ہے۔

ہاں اس قراءت سے میت کا جی بہلے گا۔ پس اس مسئلے سے ثابت ہو گیا کہ حنفیہ و شافعیہ بالاتفاق سماع موتی کے قائل ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو اس میں کہ مردہ جو قرآن سنتا ہے آیا اس کو سننے والے کا ثواب ملتا ہے یا نہیں۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

قال القرطبی وقد قیل ان ثواب القراءه للقاری وللمیت ثواب الاستماع ولذلک تلحقه الرحمه قال الله تعالی واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون قال ولا یبعد فی کرم الله تعالی ان یلحقه ثواب القراءه والاستماع معا ویلحقه ثواب ما یهدی الیه من القراءه وان لم یسمع کالصدقه والدعاء۔

امام قرطبی (ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری اندلسی قرطبی متوفی ۶۷۱ھ) نے فرمایا: البتہ کہا گیا ہے کہ قراءت کا ثواب قاری کے لیے ہے اور مردے کے لیے سننے کا ثواب ہے۔ اسی واسطے مردے پر رحمت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کے لیے کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم رحم کیے جاؤ"۔ کہا امام قرطبی نے کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بعید نہیں کہ مردے کو قراءت اور سننے دونوں کا ثواب ملے اور مردے کو قراءت کا ثواب جو بخشا جائے ملتا ہے خواہ وہ نہ سنے جیسا کہ صدقہ اور دعا۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی و القبور، مطبوعہ مصر، ص ۱۲۳، تفسیر روح البیان، جزء رابع، ص ۱۶۷)

امام ابوبکر احمد بن محمد خلال بغدادی حنبلی (متوفی ۳۱۱ھ) نے اپنی کتاب جامع لعلوم الامام احمد بن حنبل میں بروایت امام شعبی نقل کیا ہے کہ:

کانت الانصار اذا مات لهم المیت اختلفوا الی قبره یقرءون عنده القرآن۔

جب انصار مدینہ منورہ میں کوئی میت ہو جاتی تو وہ اس کی قبر پر جا کر قرآن پڑھا کرتے تھے۔

(کتاب الروح لابن القیم، ص ۱۲، شرح الصدور للسیوطی ص ۱۲۳)

امام احمد بن حنبل کا ایک نابینا کو قبر پر قرآن پڑھنے کی اجازت دینا اس کتاب میں پہلے آ چکا ہے۔ سماع موتی کے متعلق مسئلہ قراءت سے ملتا جلتا دفن کے بعد عمل تلقین ہے۔ چنانچہ علامہ طحطاوی اس کی بابت لکھتے ہیں:

سئل القاضی محمد الکرمانی عنه فقال ماراه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن کذا فی القهستانی وکیف لایفعل مع انه لاضرر فیه بل فیه نفع للمیت لانه یستانس بالذکر علی ما ورد فی بعض الاثار ففی صحیح مسلم عن عمرو بن العاص قال اذا دفنتمونی اقیموا عند قبری قدر ما ینحر جزور و یقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع رسل ربی۔

قاضی محمد کرمانی سے دفن کے بعد تلقین کی نسبت دریافت کیا گیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ جس بات کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ قہستانی میں ایسا ہی لکھا ہے اور تلقین کیوں نہ کی جائے

باوجودیکہ اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ اس میں مردے کے لیے فائدہ ہے۔ کیونکہ وہ ذکر سے انس و آرام پاتا ہے جیسا کہ بعض آثار میں آیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے وصیت کی کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو میری قبر کے پاس اتنا ٹھہرو کہ جتنی دیر میں اونٹنی ذبح کی جاتی ہے اور اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس پاؤں اور جان لوں کہ اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۳۰۶)

اس حدیث مسلم سے معلوم ہوگیا کہ ذکر سے مردے کا جی بہلتا ہے اور یہ بغیر سماع کے متصور نہیں۔ اس مقام پر ایک اور فقہ کا مسئلہ قابل غور ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

وکرہ قلع الحشیش الرطب و کذا الشجر من المقبرہ لانہ مادام رطبا یسبح اللہ تعالی فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالی الرحمہ۔

ہری گھاس اور درخت کا مقبرے سے اکھاڑنا مکروہ ہے۔ کیونکہ جب تک وہ ہری رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی پاکی بولتی ہے۔ پس مردے کا جی بہلاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔

(فصل فی زیارت القبور، ص ۳۴۲)

یہی عبارت علامہ شامی نے بحوالہ امداد نقل کی ہے اور اسے برقرار رکھا ہے۔

(رد المحتار، جزء اول، ص ۶۶۷)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

یکرہ قلع الحطب والحشیش من المقبرہ فان کان یابسا لا باس بہ لانہ

مقبرے سے جلانے کی لکڑی اور گھاس کا اکھاڑنا مکروہ ہے اگر وہ خشک ہو تو اس کا کچھ ڈر نہیں۔ کیونکہ جب تک

مادام رطبا یسبح فیونس المیت۔

سبز و تازہ رہتی ہے اللہ کی پاکی بولتی ہے پس مردے کا جی بہلاتی ہے۔

(کتاب الصلوۃ باب غسل المیت، وما یتعلق بہ)

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

قطع الحشیش الرطب من المقابر یکرہ لانہ یسبح ویندفع بہ العذاب عن المیت او یستانس بہ المیت۔

مقبروں سے ہری گھاس کا کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ وہ اللہ کی پاکی بولتی ہے اور اس سے مردے سے عذاب دور ہوتا ہے یا اس سے مردے کا جی بہلتا ہے۔

(فتاویٰ بزازیہ بہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، مطبوعہ مصر، جزء سادس، ص ۳۵۲)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں:

و مکروہ است خارے یا گیاہے یا چوبے را کہ بر قبر روئیدہ بر کندن۔ زیرا کہ آن تسبیح میکند مادام کہ تر است و موجب تخفیف عذاب و انس میت میباشد۔ چنانچہ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام دو شاخ نو از خرما بر سر قبرہا نہادہ فرمودند مادام کہ خشک نشود بہ برکت تسبیح در عذاب ایں تخفیف ماند۔ (فتاویٰ عزیزیہ، مطبوعہ مجتبائی، جلد دوم، ص ۱۰۶)

فتاویٰ مولوی عبدالحئی صاحب (جلد سوم، ص ۶۷) میں ہے:

مادام کہ تر است تسبیح میکند و موجب تخفیف عذاب و انس میت میشود لہٰذا بر کندن آں مکروہ است و ہر گاہ کہ خشک شود بر کندن آں درست است۔

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ مردہ گھاس کی تسبیح تک کو سنتا ہے۔ اور حدیث ن کے حوالہ سے یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ جب دفن کر کے گھر کو لوٹتے ہیں تو مردہ

جنازے کے ہمراہیوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

شرح فقہ اکبر میں مولانا علی القاری روح کو بدن کے ساتھ پانچ طرح کا تعلق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والرابع تعلقها به في البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه لم تفارقه فراقا كليا بحيث لا يبقى لها اليه التفات البته فانه ورد ردها اليه وقت سلام المسلم عليه وورد انه يسمع خفق نعالهم حين يولون عنه وهذا الرد اعاده خاصه لا يوجب حيوه البدن قبل يوم القيامه۔

چوتھا تعلق روح کا بدن کے ساتھ برزخ میں ہے۔ کیونکہ روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہو جاتی ہے مگر اس طرح بالکل جدا نہیں ہوتی کہ اس کو بدن کی طرف ہرگز کوئی التفات باقی نہ رہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص مردے کو سلام کہتا ہے تو روح اس کے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ جب جنازے کے ہمراہی لوگ دفن کر کے پیٹھ پھیرتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔ یہ روح کا لوٹایا جانا خاص اعادہ ہے جو قیامت کے دن سے پہلے بدن کی حیات کا موجب نہیں۔ (شرح فقہ اکبر، مجتبائی دہلی، ص ۱۵۴)

حدیث سلام کو علامہ عینی یوں نقل فرماتے ہیں:

وعند ابن عبد البر بسند صحيح مامن احد يمر بقبر اخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الاعرفه

ابن عبدالبر کے نزدیک سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر سے جسے وہ دنیا میں جانتا تھا گزرتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے وہ بھائی

ورد عليه السلام۔

اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جزء رابع، ص ۷۷)

اسی حدیث کو علامہ طحطاوی نے یوں نقل کیا ہے:

واخرج ابن عبد البر في الاستذكار والتمهيد بسند صحيح عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد يمر بقبر اخيه المومن كان يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الاعرفه ورد عليه السلام۔

ابن عبدالبر مالکی (متوفی ۴۶۳ھ) نے کتاب الاستذکار اور کتاب التمہید میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کی قبر سے۔ (الخ)

(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح، ص ۳۴۱)

علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی نے (نسیم الریاض، شرح شفائے قاضی عیاض، جزء ثالث، ص ۵۵۰) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ اسی طرح شیخ ابن حجر مکی شافعی نے اسے صحیح کہا ہے۔ (جوہر المنظم، مطبوعہ مصر، ص ۳۲) ابن ابی الدنیا (متوفی ۲۸۲ھ) نے کتاب القبور باب معرفۃ الموتی بزیارۃ الاحیاء میں اس حدیث کو باسناد متصل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔ (کتاب الروح لابن القیم، ص ۵) حافظ ابو محمد عبدالحق اشبیلی (متوفی ۵۸۲ھ) نے اسے "احکام صغریٰ" میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ "اس کا اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیح ہے"۔ (وفاء الوفا للسمہودی، جزء ثانی، ص ۴۰۴) علامہ سیوطی نے شرح الصدور (ص ۸۰) میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تذکرۃ الموتی والقبور (ص ۳۶) میں اسے نقل کیا ہے اور ابن تیمیہ اور ابن قیم نے بھی اس سے استدلال کیا ہے جیسا کہ اس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ اب فرمائیے کہ اس حدیث میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ مقتولین بدر کا قصہ جو سماع موتی پر نص

ہے پہلے آ چکا ہے۔ قصہ بدر سے ملتے جلتے دو اور قصے (قصہ قوم صالح اور قصہ قوم شعیب علیہما السلام) قرآن کریم میں سے بیان ہو چکے ہیں جن سے سماع موتی اظہر من الشمس ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں:

بدانکہ تمام اہل سنت و جماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم و سمع مر سائر اموات را از آحاد بشر خصوصاً انبیاء را علیہم السلام۔

(جذب القلوب، مطبوعہ کلکتہ، ص ۲۸۵)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

واخرج الشیخ ابن حبان فی کتاب الوصایا عن قیس بن قبیصہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یومن لم یوذن لہ فی الکلام مع الموتی قیل یارسول اللہ وہل یتکلم الموتی قال نعم ویتزاورون۔

شیخ محمد بن حبان (متوفی ۳۵۴ھ) نے کتاب وصایا الاتباع و بیان الابتداع میں قیس بن قبیصہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو ایمان نہ لایا اسے مردوں کے ساتھ کلام کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ عرض کی گئی یارسول اللہ کیا مردے کلام کرتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں اور ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔

(بشری الکئیب بلقاء الحبیب بہامش شرح الصدور، ص ۸۱)

امام عبدالوہاب شعرانی سیدی شمس الدین حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان رضی اللہ عنہ اذازار القرافہ سلم علی اصحاب القبور فیردون السلام علیہ

سیدی شمس الدین حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرافہ (مصر) کی زیارت کرتے تو اہل قبور کو سلام کہتے۔ پس وہ

بصوت یسمعہ من معہ۔

آپ کے سلام کا جواب ایسی آواز سے دیتے جسے آپ کے ہمراہی سن لیتے۔

(طبقات الکبریٰ، جزء ثانی، ص ۸۸)

مولوی محمد فاضل صاحب نے جو تفسیر خازن شافعی کی عبارت نقل کی ہے۔ اس میں میت سے مراد دھڑ ہے بے روح جو قبر میں پڑا ہے۔ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ صاحب کی جو عبارت مجیب نے نقل کی ہے وہ مولانا صاحب کی نہیں بلکہ مولوی محمد اسحاق بڑوسری بہاری کی ہے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب تو سماع موتی کے قائل ہیں۔ چنانچہ جامع صغیر کے حاشیہ میں آپ نے مسئلہ یمین زیر بحث پر یوں لکھا ہے:

قد وجہہ اکثر الشراح بان الکلام ما یخاطب بہ للافہام والاسماع وہو غیر متصور فی المیت وفہم منہ بعض اصحاب الفتاوی انہ مبنی علی عدم سماع الموتی فنسبوہ الی القدماء ومن ثم اشتہر بین العوام ان عند الحنفیہ لاسماع للموتی والحق انہم بریون عن ذلک کما حققہ ابن الہمام وغیرہ والمسئلہ التی نحن فیہا لیست مبنیہ علیہ بل علی ان الکلام والخطاب فی العرف انما یطلق علی الخطاب مع الحی ومع المیت لا یعرف کلاما والایمان مبنیہ علی العرف فلذا لا یحنث بالکلام مع المیت اذا حلف لا یکلمہ وکیف ینکر قدماء اصحابنا سماع الموتی مع ظہور النصوص الدالہ علیہ۔

اکثر شارحین نے کلام کے حیات پر مقصور ہونے کی وجہ یہ بیان کی

ہے کہ کلام وہ ہے جس کے ساتھ سمجھانے اور سنانے کے لیے خطاب کیا جاتا ہے اور وہ مردے میں متصور نہیں۔ اس تقریر سے بعض اصحاب فتاوی یہ سمجھے ہیں کہ یہ مسئلہ عدم سماع موتی پر مبنی ہے۔ لہٰذا انہوں نے عدم سماع کو قدماء کی طرف منسوب کر دیا' اور یہاں سے عوام میں مشہور ہوگیا کہ حنفیہ کے نزدیک مردوں کے لیے سماع نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حنفیہ اس الزام سے بری ہیں جیسا کہ ابن الہمام وغیرہ نے اسے تحقیق کیا ہے۔ اور مسئلہ یمین جو زیر بحث ہے وہ عدم سماع پر مبنی نہیں۔ بلکہ اس امر پر مبنی ہے کہ عرف میں کلام و خطاب کا اطلاق زندہ کے ساتھ خطاب پر ہوتا ہے اور میت کے ساتھ کلام کو خطاب نہیں کہا جاتا اور ایمان کا مبنی عرف پر ہوتا ہے۔ اسی واسطے جب کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا تو وہ موت کے بعد اس شخص سے کلام کرنے سے حانث نہ ہوگا۔ قدماء حنفیہ سماع موتی سے کیونکہ انکار کر سکتے تھے حالانکہ سماع پر دلالت کرنے والے نصوص ظاہر ہیں۔

(جامع صغیر' مطبوعہ مصطفائی' ص ۴۷)

مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست۔ (فتاوی عزیزیہ' مطبوعہ مجتبائی' جلد اول' ص ۸۸)

حاصل کلام یہ کہ مردوں کے ادراک و شعور کا انکار کرنا اگر کفر نہیں تو اس کے الحاد (بے دینی) ہونے میں شک نہیں۔

بیان بالا سے ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث و فقہ و اجماع اہل سنت و جماعت سے سماع موتی ثابت ہے۔ منکرین سماع جو شروح فقہ کی عبارت پیش کرتے ہیں اس میں میت سے شارحین کی مراد بے روح جسم ہے۔ یہ ایک مسلم امر ہے کہ حیات و ممات

میں علم و سمع وغیرہ ادراکات روح کا وظیفہ ہیں نہ کہ بدن کا۔ حالت حیات میں جب تک روح بدن میں مقید رہتی ہے اس کے قوی محدود ہوتے ہیں اور بدن اس کے ادراکات کا آلہ ہوتا ہے۔ مگر جب موت کے سبب روح کو آزادی حاصل ہو جاتی ہے تو اس کے قوی میں نہایت حیرت انگیز ترقی ہو جاتی ہے جس کا ابن حزم ظاہری تک کو بھی اعتراف ہے۔ اس کی قوت سماع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن و ذکر تو در کنار وہ قبر پر ہری گھاس کی تسبیح تک کو سن لیتی ہے۔ اور آپ خواہ آسمانوں پر یا بہشت میں ہو قبر پر سلام کہنے والے کے سلام کو سن لیتی ہے اور اس کا جواب دیتی ہے۔ یہ تو عامہ مومنین کی روحوں کا حال ہے۔ آؤ ہم تمہیں اولیاء اللہ کی روحوں کا کچھ حال سنائیں۔ چونکہ بحث مسئلہ سماع میں ہے لہٰذا یہاں نہایت اختصار سے حالت حیات و ممات میں اولیاء اللہ کے سننے اور سنانے کی قوت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما زال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها۔

اور میرا بندہ نوافل سے میری نزدیکی ڈھونڈتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں پس جب میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی بینائی بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

(صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب التواضع

اس حدیث سے اولیاء اللہ کی قوت سماع کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔ مولانا روم

نے اسی حدیث کے مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
گفت او را من زبان و چشم تو
من حواس و من رضا و خشم تو
رو کہ بی یسمع و بی یبصر توئی
سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی

اب اس حدیث کی توضیح کے لیے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اثنائے خطبہ میں آپ نے دو تین بار یوں فرمایا: یا ساریہ الجبل (اے ساریہ پہاڑ کی طرف ہو جاؤ) آپ کی یہ آواز نہاوند واقع ملک ایران میں حضرت ساریہ اور لشکر اسلام نے سن لی۔ اس قصے کا اسناد پہلے بیان ہو چکا ہے لہٰذا اعادہ کی ضرورت نہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامات میں لکھتے ہیں:

و از آنجملہ آنست کہ جیشے بہ یکے از بلد بعیدہ فرستادہ بود، روزے در مدینہ آواز برداشت کہ یا لبیکاہ یا لبیکاہ، و ہیچ کس ندانست کہ آں چیست تاآں وقت کہ آں جیش بمدینہ مراجعت نمود۔ و صاحب جیش فتح ہائے را کہ خدا تعالیٰ توفیق آنش دادہ بود تعدادی کرد، امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ گفت ایں ہا را بہ گزار حال آں مرد کہ ویرا بزجر در آب فرستادی چہ شد۔ گفت واللہ یا امیر المومنین کہ من بوے شرے نخواستم۔ بہ آبے رسیدم کہ غور آنرا نمیدانستم تا از آنجا بہ گزرم وے را برہنہ ساختم و در آب فرستادم ہوا خنک بود در وے سرایت کرد و فریاد برداشت کہ واعمراہ واعمراہ و بعد ازاں از شدت سرما ہلاک شد۔ چوں مرداں آنرا شنیدند

دانستند کہ لبیک وے در جواب ندائے آں مظلوم بودہ است۔ بعد ازاں صاحب جیش را گفت اگر نہ آں بودے کہ ایں بعد از من دستورے بماندے ہر آئینہ گردن ترا بزدمے برو دیت ویرا باہل وے رساں و چناں مکن کہ دیگر ترا بہ بینم پس گفت کشتن مسلمانے پیش من بزرگ تر ست از ہلاک بسیارے۔ (شواہد النبوۃ، مطبوعہ نو لکشور، ص ۱۵۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے دور شہروں میں سے ایک میں لشکر بھیجا ہوا تھا۔ ایک دن مدینہ منورہ میں آپ نے با آواز بلند کہا یا لبیکا یا لبیکا (اے فلاں میں تیری طرف متوجہ ہوں۔ اے فلاں میں تیری طرف متوجہ ہوں) اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ کیا معاملہ ہے یہاں تک کہ وہ لشکر مدینہ میں واپس آگیا۔ صاحب لشکر ان فتحوں کو جو بتوفیق الٰہی اسے حاصل ہوئیں شمار کر رہا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ان کا ذکر چھوڑ اس شخص کا حال جس کو تو نے جھڑک کر پانی میں بھیجا کیا ہوا۔ اس نے عرض کی اللہ کی قسم اے امیر المومنین میں نے اس کی کوئی بدخواہی نہیں کی۔ میں ایک پانی پر پہنچا جس کی تھاہ مجھے معلوم نہ تھی تاکہ وہاں سے گزر جاؤں۔ میں نے اس کو ننگا کیا اور پانی میں بھیجا۔ ہوا ٹھنڈی تھی اس میں اثر کر گئی۔ اور اس نے فریاد کی۔ واعمراہ واعمراہ (اے عمر اے عمر) اور اس کے بعد وہ جاڑے کی شدت سے مر گیا۔ جب لوگوں نے یہ حال سنا تو سمجھ گئے کہ امیر المومنین کی لبیک اس مظلوم کی فریاد کے جواب میں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بعد صاحب لشکر سے فرمایا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میرے بعد یہ ایک قانون باقی رہ جائے گا میں البتہ تجھے قتل کر ڈالتا۔ جا اور اس کا خون بہا اس کے اہل کو پہنچا دے۔ اور ایسا نہ کر کہ پھر

میں تجھے دیکھوں۔ پھر فرمایا میرے نزدیک ایک مسلمان کا قتل بتوں کے
ہلاک سے بڑا ہے۔

مولانا جامی حضرت ابو قرصافہ جندرہ بن حبشیہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حال
میں لکھتے ہیں:

وے در عسقلان بود و پسرِ وے قرصافہ در روم بغزا رفتہ بود ہر گاہ کہ
صبح شدے ابو قرصافہ از عسقلان آواز دادے باآواز بلند کہ یا
قرصافہ یا قرصافہ الصلوہ الصلوہ۔ قرصافہ از بلاد روم
جواب دادے کہ لبیک یا ابتاہ اصحاب وے گفتندے ویحک کرا
جواب میدہی قرصافہ گفتے پدر خود را سوگند برب الکعبہ کہ مرا از براے
نماز بیدار میکند۔

حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسقلان میں تھے اور ان کے
صاحبزادے حضرت قرصافہ رضی اللہ عنہ جہاد پر ملک روم میں گئے ہوئے
تھے۔ جس وقت صبح ہوتی حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عسقلان
سے باآواز بلند یوں پکارتے یا قرصافہ یا قرصافہ الصلوہ
الصلوہ (اے قرصافہ اے قرصافہ نماز نماز) حضرت قرصافہ روم کے
شہروں سے یوں جواب دیتے لبیک یا ابتاہ (میں اطاعت کے لیے
حاضر ہوں اے میرے باپ) حضرت قرصافہ کے ہمراہی کہا کرتے: اے
خرابی تیری تو کسے جواب دیتا ہے۔ حضرت قرصافہ فرماتے اپنے باپ کو۔
رب کعبہ کی قسم وہ مجھے نماز کے لیے جگاتے ہیں۔

ایک روز حضور غوث پاک قطب الاقطاب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے اثنائے وعظ میں فرمایا:

قدمی ہذہ علی رقبہ کل   میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن

ولی اللہ۔   پر ہے۔

اس پر تمام حاضرین مجلس نے اپنی اپنی گردنیں حضور کے آگے جھکا دیں اور اسی
وقت دنیا کے مختلف مقامات میں تین سو تیرہ اولیاء اللہ نے آپ کا یہ قول سن کر اپنی
گردنیں جھکا دیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے۔ حرمین شریفین ۱۷، عراق ۶۰، عجم ۴۰،
شام ۳۰، مصر ۲۰، مغرب ۲۷، یمن ۲۳، حبشہ ۱۱، سد یاجوج و ماجوج ۷، وادی سرندیب
۷، کوہ قاف ۴۷، جزائر بحر محیط ۲۴۔ اس وقعہ کو شیخ شطنوفی (متوفی ۷۱۳ھ) نے باسناد
متصل بہجۃ الاسرار (مطبوعہ مصر، ص ۷ تا ۱۰) میں بیان کیا ہے۔

شیخ ابو عبداللہ محمد بن الازہری الحسینی ذکر کرتے ہیں کہ جو مشائخ بغداد میں آتے
وہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ضرور حاضر ہوتے۔ اور مجھے
معلوم نہیں کہ شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی بغداد میں آئے ہوں مگر میں نے ان کو کئی دفعہ
طفسونج (واقع عراق) میں دیکھا ہے کہ دیر تک خاموش رہتے اور فرماتے کہ میں اس
لیے چپ رہتا ہوں کہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا کلام سنوں۔ اور میں نے کئی دفعہ شیخ
عدی بن مسافر (متوفی ۵۵۸ھ) کو مقام بالس میں (جو دریائے فرات پر واقع ہے) دیکھا
ہے کہ آپ اپنے حجرے سے نکل کر پہاڑ میں چلے جاتے اور اپنے عصا سے دائرہ کھینچ
کر اس میں داخل ہو جاتے اور فرماتے کہ جو شخص سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کا کلام سننا
چاہے وہ اس دائرے کے اندر آ جائے۔ پس آپ کے بڑے بڑے اصحاب اس میں
داخل ہو جاتے اور آپ کا کلام سنتے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ حاضرین میں سے کوئی
شخص شیخ عدی کی تقریر کو بقید تاریخ و ماہ قلمبند کر لیتا اور بغداد میں آ کر اس کا مقابلہ
اس تحریر سے کرتا جو اہل بغداد نے اسی دن سیدنا شیخ عبدالقادر کی زبان مبارک سے
سن کر لکھی ہوتی تو دونوں کو بالکل یکساں پاتا۔ اور جس وقت شیخ عدی دائرے میں
داخل ہوتے تو سیدنا شیخ عبدالقادر اپنے حاضرین مجلس سے فرماتے کہ عین شیخ عدی بن
مسافر تم میں ہیں۔ (بہجۃ الاسرار، ص ۹۷)

شیخ عبدالوہاب شعرانی، سیدنا شیخ احمد بن ابی الحسین الرفاعی (متوفی ۵۷۰ھ) کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان رضی اللہ عنہ اذا صعد الکرسی لایقوم قائما وانما یتحدث قاعدا وکان یسمع حدیثہ البعید مثل القریب حتی ان اھل القری التی حول ام عبیدہ کانوا یجلسون علی سطوحھم یسمعون صوتہ و یعرفون جمیع ما یتحدث بہ حتی کان الاطروش والاصم اذا حضروا یفتح اللہ اسماعھم بکلامہ۔

شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کرسی پر چڑھتے تو کھڑے نہ رہتے اور بیٹھ کر کلام کرتے اور آپ کے کلام کو دور بیٹھے والے اسی طرح سنتے جس طرح قریب کے لوگ۔ یہاں تک کہ ام عبیدہ کے گرد کے گاؤں والے اپنی چھت پر بیٹھ جاتے اور آپ کی آواز کو سن لیتے اور آپ کے تمام کلام کو سمجھ لیتے۔ یہاں تک کہ گونگے اور بہرے جب حاضر ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کے کلام سے ان کے کان کھول دیتا۔

(طبقات کبریٰ، جزء اول، ص۱۴۱)

امام حجۃ الاسلام غزالی صوفیہ کرام کے طریقہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن اول الطریقہ تبتدی المکاشفات والمشاھدات حتی انھم فی یقظتھم یشاھدون الملائکہ وارواح الانبیاء علیھم الصلاہ والسلام و یسمعون منھم اصواتا ویقتبسون منھم

اس طریقہ میں اول سے مکاشفات و مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ صوفیہ کرام حالت بیداری میں فرشتوں اور پیغمبروں کی روحوں کا مشاہدہ کرتے ہیں، اور ان سے آوازیں سنتے ہیں اور ان سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ پھر یہ حال صور و امثال کے

فوائد ثم یترقی الحال من مشاھدہ الصوروالامثال الی درجات یضیق عنھا نطاق النطق۔

مشاہدے سے ترقی کر کے ایسے درجوں تک پہنچ جاتا ہے جو احاطہ بیان میں نہیں آسکتے۔

(کتاب المنقذ من الضلال، مطبوعہ مصر، ص ۴۳)

حضرت عمران بن حصین صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فرشتے سلام کیا کرتے تھے اور آپ ان کا سلام سن لیا کرتے تھے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ للتاج السبکی جزء ثانی ص ۷۱، تنویر الحلک فی رویۃ النبی والملک للسیوطی ص ۶)

یہ تو اولیاء اللہ کی حالت بیداری کا حال ہے عالم خواب میں روح کے قوے اس سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں۔ کیونکہ روح فرش سے عرش تک جہاں چاہتی ہے چلی جاتی ہے، اور عالم برزخ تو عالم خواب سے بھی وسیع ہے کیونکہ اس میں بدن سے تجرد کے سبب روح کو قریباً قوت ملکیہ حاصل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ عامہ مومنین کی روحیں بہشت سے زائر کا سلام سن لیتی ہیں۔ اس سے دار برزخ میں ان ارواح طیبہ کی قوت سماع کا اندازہ ہو سکتا ہے جو دار دنیا میں میلوں کی راہ سے سن سکتی تھیں۔

تین طریق سے باسناد متصل مروی ہے کہ سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چار شنبہ ۲۷ ذی الحجہ ۵۲۹ھ میں مقابر شونزی کی زیارت کی۔ آپ کے ساتھ فقہاء و فقراء کی ایک بڑی جماعت تھی۔ آپ شیخ حماد دباس کی قبر کے پاس بہت دیر تک کھڑے رہے یہاں تک کہ گرمی زیادہ ہوگئی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ پھر آپ واپس ہوئے اور آپ کے چہرے میں بشاشت تھی۔ آپ سے طول قیام کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں بغداد سے جمعہ کے دن بتاریخ ۱۵ شعبان ۴۹۹ھ شیخ حماد دباس کے اصحاب کی ایک جماعت کے ساتھ نکلا تاکہ ہم جامع رصافہ میں نماز جمعہ پڑھیں اور شیخ بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم نہر کے پل کے

پاس پہنچے تو شیخ نے مجھے دھکیل کر پانی میں پھینک دیا۔ اور سردی زیادہ تھی۔ میں نے کہا بسم اللہ نویت غسل الجمعہ (بسم اللہ میں نے جمعہ کے غسل کی نیت کرلی) مجھ پر صوف کا جبہ تھا اور میری آستین میں کتاب کے چند اجزاء تھے۔ اس لیے میں نے اپنا ہاتھ اٹھایا تاکہ بھیگ نہ جائیں۔ وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ میں پانی سے نکلا' جبہ کو نچوڑا اور ان کے پیچھے ہولیا۔ سردی سے مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ شیخ نے اصحاب نے میری مدد کرنی چاہی مگر شیخ نے ان کو جھڑک دیا اور فرمایا کہ میں نے آزمائش کے لیے اس کو اذیت دی۔ مگر اسے ایسا پہاڑ پایا جو حرکت نہیں کرتا۔ آج میں نے شیخ کو قبر میں دیکھا کہ ان پر جواہر سے مرصع حلہ ہے سر پر یاقوت کا تاج ہے ہاتھ میں سونے کے کنگن ہیں' پاؤں میں سونے کا پاپوش ہے مگر دہنا ہاتھ ہلا نہیں سکتے۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ شیخ نے فرمایا یہ وہ ہاتھ ہے جس سے میں نے تجھے پانی میں دھکیلا تھا۔ کیا تو مجھے معاف کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ شیخ نے فرمایا تو اللہ سے دعا مانگ کہ وہ میرا ہاتھ درست کردے۔ پس میں دعا کرنے کے لیے کھڑا رہا اور پانچ ہزار اولیاء نے اپنی اپنی قبروں میں آمین کہی۔ اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ میری درخواست قبول کرے۔ میں اس مقام میں اللہ سے دعا کرتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے شیخ کا ہاتھ درست کر دیا۔ اور شیخ نے اسی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کیا اور اسے اور مجھے کمال خوشی حاصل ہوئی۔ (بہجۃ الاسرار' ص ۵۳)

بیان بالا سے معترضین کا وہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ اولیاء اللہ سے مدد کیوں مانگتے ہو وہ تو سنتے ہی نہیں۔ استمداد کی نسبت اگرچہ پہلے بہت کچھ لکھا جاچکا ہے مگر مزید توضیح کے لیے یہاں بھی کچھ اضافہ کیا جاتا ہے۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ در حق شہداء می فرماید: بل احیاء عند ربھم۔ اقول مراد شاید آن باشد کہ حق تعالیٰ ارواح شاں را قوت اجساد میدہد ہر جا کہ

خواہند سیر کنند۔ وایں حکم مخصوص بہ شہداء نیست انبیاء و صدیقان از شہداء افضل اند۔ و اولیاہم در حکم شہداء اند کہ جہاد بانفس کردہ اند کہ جہاد اکبرست۔ رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔ ازاں کفایت ست۔ و لہذا اولیاء اللہ گفتہ اند ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا یعنی ارواح ماکار اجساد مے کنند و گاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح مے برآید ومیگویند کہ رسول خدا را سایہ نبود صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ ارواح ایشاں در زمین و آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند میروند۔ و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری مے فرمائند۔ و دشمناں را ہلاک مے نمائند۔ و از ارواح شاں بطریق اویسیہ فیض باطنی میرسد و بسبب ہمیں حیات اجساد آنہارا در قبر خاک نمے خورد بلکہ کفن ہم مے ماند۔ ابن ابی الدنیا از مالک روایت کردہ کہ ارواح مومنین ہر جا کہ خواہند سیر کنند مراد از مومنین کاملین اند و حق سبحانہ تعالیٰ اجساد ایشاں را قوت ارواح میدہد کہ در قبور نماز میخوانند و ذکر میکنند و قرآن میخوانند۔ (تذکرۃ الموتی والقبور' مطبوعہ مجتبائی' دہلی' ص ۳۰-۳۱)

اللہ تعالیٰ شہیدوں کے حق میں فرماتا ہے: بل احیاء عند ربھم۔ (بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے نزدیک) میں کہتا ہوں شاید مراد یہ ہو کہ خدا تعالیٰ ان کی روحوں کو جسموں کی قوت دیتا ہے وہ جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں' اور یہ حکم شہیدوں کے لیے خاص نہیں انبیاء اور صدیقین شہیدوں سے افضل ہیں۔ اور اولیاء بھی شہیدوں کے حکم میں ہیں کیونکہ انہوں نے نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے جو جہاد اکبر ہے۔ حدیث میں: رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے) اس کی کافی دلیل

ہے۔ اسی واسطے اولیاء اللہ نے فرمایا ہے: ارواحنا اجسادنا واجسادنا ارواحنا یعنی ہماری روحیں جسموں کا کام کرتی ہیں اور کبھی ہمارے جسم نہایت لطافت کے سبب برنگ ارواح ظاہر ہوتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ ان کی روحیں زمین و آسمان و بہشت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں اور دنیا و آخرت میں اپنے دوستوں اور معتقدوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔ اور ان کی روحوں سے بطریق اویسیہ باطنی فیض پہنچتا ہے۔ اور اسی حیات کے سبب قبر میں ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی بلکہ کفن بھی باقی رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ مومنوں کی روحیں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں، اور خدا پاک ان کے جسموں کو روحوں کی قوت دیتا ہے کہ قبروں میں نماز پڑھتے ہیں اور ذکر الٰہی کرتے ہیں اور قرآن پڑھتے ہیں۔

امام شعرانی سیدنا شیخ ابو المواہب شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

وکان یقول من الاولیاء من ینفع مریده الصادق بعد موته اکثر ما ینفعه حال حیاته ومن العباد من تولی الله تربیته بنفسه بغیر واسطه ومنهم من تولاه بواسطه بعض اولیائه ولو میتا فی قبره فیربی مریده وهو فی قبره ویسمع مریده

اور شیخ شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ بعض اولیاء اللہ اپنے مرید صادق کو موت کے بعد حالت حیات سے زیادہ فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کی تربیت کا متولی خود خدا تعالیٰ بغیر واسطہ ہوتا ہے، اور بعضے ایسے ہیں کہ ان کی تربیت کا متولی خدا تعالیٰ کسی ولی کی وساطت سے ہوتا ہے خواہ وہ ولی بعد موت قبر میں ہو۔ وہ قبر

صوته من القبر ولله عباد یتولی تربیتهم النبی صلی الله علیه وسلم بنفسه من غیر واسطه بکثره صلاتهم علیه صلی الله علیه وسلم۔

میں سے اپنے مرید کی تربیت کرتا ہے اور اس کا مرید قبر میں سے اس کی آواز سنتا ہے۔ اور خدا کے بعض بندے ایسے ہیں کہ نبی ﷺ ان کی تربیت بذات خود بلاواسطہ فرماتے ہیں اس لیے کہ وہ آنحضرت ﷺ پر کثرت سے درود بھیجتے ہیں۔ (طبقات کبریٰ، جزء ثانی، ص۶)

ابو المعالی عبد الرحیم بن مظفر بن مہذب قرشی نے بیان کیا کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن محمود بن النجار البغدادی نے بغداد میں ہمیں خبر دی کہ مجھے عبد اللہ جبائی نے لکھا اور میں نے اس کے خط سے نقل کیا کہ میں ہمدان میں اہل دمشق میں سے ایک شخص سے ملا جس کو ظریف کہتے تھے۔ اس نے کہا کہ میں نیشاپور یا کہا خوارزم کے راستے میں بشر قرظی سے ملا اور اس کے ساتھ چودہ اونٹ شکر سے لدے ہوئے تھے۔ اس نے مجھ سے ذکر کیا کہ ہم ایک خوفناک جنگل میں اترے۔ جہاں بھائی بھائی کا ساتھ نہ دیتا تھا۔ جب ہم نے شروع رات سے بوجھ لادے تو چار لدے ہوئے اونٹوں کو نہ پایا۔ میں نے ہر چند تلاش کی مگر نہ ملے اور قافلہ چل دیا۔ میں اونٹوں کو ڈھونڈنے کے لیے پیچھے رہ گیا اور شتربان بھی مدد کے لیے میرے ساتھ ٹھہر گیا۔ ہم نے اونٹوں کو ڈھونڈا مگر نہ پایا۔ جب صبح نمودار ہوئی تو مجھے سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی کا یہ قول یاد آیا کہ اگر تو کسی سختی میں مبتلا ہو تو مجھے پکار وہ سختی جاتی رہے گی۔ اس لیے میں نے یوں پکارا یا شیخ عبد القادر میرے اونٹ جاتے رہے۔ یا شیخ عبد القادر میرے اونٹ جاتے رہے۔ پھر مشرق کی طرف جو میں نے توجہ کی تو فجر کی روشنی میں ایک شخص کو میں نے ٹیلے پر دیکھا جو نہایت سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا وہ اپنی آستین سے مجھے اشارہ کر رہا تھا یعنی کہہ رہا تھا کہ ادھر آؤ۔ مگر جب ہم ٹیلے پر چڑھے تو کوئی نظر نہ آیا۔ پھر ہم نے

چاروں اونٹ ٹیلے کے نیچے جنگل میں بیٹھے دیکھے ہم نے پکڑ لیے اور قافلہ سے جا ملے۔

ابو المعالی کا قول ہے کہ پھر میں شیخ ابو الحسن علی خباز کے پاس آیا اور اس سے یہ حکایت بیان کی۔ اس نے کہا کہ میں نے شیخ ابو القاسم عمر بزاز کو سنا کہ کہتے تھے میں نے شیخ محی الدین عبد القادر کو سنا کہ فرماتے تھے "جس نے کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کی وہ مصیبت دور ہو گئی جس نے کسی سختی میں میرا نام پکارا وہ سختی جاتی رہی۔ جس نے کسی حاجت میں اللہ کی طرف میرا وسیلہ پکڑا وہ حاجت پوری ہو گئی"۔

(بہجۃ الاسرار، ص ۱۰۲)

سیدنا ابو العباس احمد زروق کے اشعار (ص ۲۰۶) اور سیدنا شمس الدین محمد حنفی کی وصیت (ص ۱۹۱) بھی قابل غور ہے۔ امام عبدالوہاب شعرانی سیدنا شیخ محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی چند سال بعد ۸۵۰ھ) کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وکان رضی اللہ عنہ یقول انا من المتصرفین فی قبورھم فمن کانت لہ حاجۃ فلیات الی قبالۃ وجھی۔

اور سیدنا شیخ محمد فرغل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں ان میں سے ہوں جو اپنی قبروں میں تصرف فرماتے ہیں اس لیے جسے کوئی حاجت ہو وہ میرے پاس میرے سامنے آئے۔

(طبقات کبریٰ، جزء ثانی، ص ۹۳)

امام موصوف سیدنا ابو العباس احمد بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (متوفی ۶۷۵ھ) کے ترجمہ میں یوں لکھتے ہیں:

وکان سیدی عبد العزیز اذا سئل عن سیدی احمد رضی اللہ عنہ یقول ھو بحر لا یدرک لہ قرار و اخبارہ و

اور سیدی عبد العزیز سے جب سیدی احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال پوچھا جاتا تو فرماتے آپ بحر بے پایاں ہیں۔ آپ کے اخبار اور فرنگیوں کے شہروں سے آپ

مجیہ بالاسری من بلاد الافرنج و اغاثہ الناس عن قطاع الطریق وحیلولتہ بینھم وبین من استنجد بہ لاتحویھا الدفاتر رضی اللہ عنہ۔ قلت وقد شاھدت انا بعینی سنہ خمس واربعین وتسعمائہ اسیرا علی منارہ سیدی عبدالعال رضی اللہ عنہ مقیدا مغلولا وھو مخبط العقل فسالتہ عن ذلک فقال بینا انا فی بلاد الافرنج آخر اللیل توجھت الی سیدی احمد فاذا انابہ فاخذنی وطاربی فی الھواء فوضعنی ھنا فمکث یومین وراسہ دائرہ علیہ من شدہ الخطفہ رضی اللہ عنہ۔

کے قیدیوں کو اٹھا لانے اور رہزنوں سے لوگوں کی فریاد اور رہزنوں اور مدد مانگنے والوں کے درمیان آپ کے حائل ہونے کے حالات بہت سے دفتروں میں نہیں آ سکتے۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے ۹۴۵ھ میں اپنی آنکھوں سے سیدی عبد العال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منارے پر ایک قیدی کو ہاتھ پاؤں جکڑے دیکھا جو مخبوط العقل تھا۔ میں نے اس سے اس کا سبب پوچھا اس نے کہا جب میں رات کے اخیر حصے میں فرنگیوں کے شہروں میں تھا تو میں نے سیدی احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف توجہ کی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پاس ہیں۔ انہوں نے مجھے پکڑا اور ہوا میں لے اڑے اور یہاں لا کر رکھ دیا۔ پس وہ دو دن رہا اور اس کا سر گرفت کی شدت سے چکراتا تھا۔

(طبقات کبریٰ، جزء اول، ص ۱۵۹)

جنوں میں بھی یہ بات ہے کہ عامل کے طلب کرنے پر خواہ وہ اقصائے مغرب یا مشرق میں ہوں حاضر ہو جاتے ہیں مگر ان میں یہ وصف طبعی ہے۔ اولیائے کرام میں اس کا وجود اکرام و تشریف ہے تاکہ وہ فضائل ثقلین کے جامع بن جائیں۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ خلاصہ کلام یہ کہ حیات و ممات میں انبیاء کرام

و شہدائے عظام اور اولیاء اللہ باذن الٰہی قضائے حاجات فرماتے ہیں۔ اگر مزارات پر حاضر ہونا متعذر ہو تو دور سے باادب عرض کرنا بھی جائز و مستحسن ہے۔ مثلاً:

(مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہو کر)

یا رسول اللہ بفریادم برس
یا نبی اللہ ندارم جز تو کس
مشکلم پیش است و من در بیکسی
یا رسول اللہ مارا تو بسی

(بغداد شریف کی طرف متوجہ ہو کر)

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
بہر خدا دل شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

(بخارا شریف کی طرف متوجہ ہو کر)

یا شاہ نقشبند بہ بیں حال زار ما
رحمے بہ کن بحالت پُر اضطرار ما

هذا اخر الكلام فی هذا المقام- والحمد لله علی حسن الاختتام- والصلوه والسلام علی وسیلتنا فی الدارین سیدنا محمد خیر الانام وعلی اله الطیبین واصحابه الغر الکرام-

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اسلامی عقائد اور اہل سُنّت کے نظریات کی تحقیق پر قرآن و حدیث صحابہ و اہلبیت رسول اور ائمہ دین کے اقوال کی روشنی میں مدلل اور مختصر کتاب

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اور عقائدِ اہلِ سُنّت

تصنیف

علامہ قاری محمد طیب نقشبندی
مانچسٹر۔ انگلینڈ

ناشر
فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

شیئرز کا کاروبار

(شرعی مسائل)

کمپنی کی مختصر تاریخ، اس کے کاروبار کا مکمل تعارف،
شرعی احکام اور مجلسِ شرعی کا فیصلہ

تصنیف

مولانا علامہ مفتی محمد نظام الدین رضوی مدظلہ

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور